کتاب و سُنّت اور اسلافِ اُمّت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد حیدرآباد

Volume:18 Issue:9 September 2025

مُدیر

مولانا محمد عبدالقوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ادارہ



درسِ قرآن

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا حق

از: مولانا شیخ عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (الاعراف)

ترجمہ: چناں چہ جو لوگ اس (نبی) پر ایمان لائیں گے، اس کی تعظیم کریں گے، اس کی مدد کریں گے، اور اس کے ساتھ جو نور اُتارا گیا ہے اس کے پیچھے چلیں گے تو وہی لوگ فلاح پانے والے ہوں گے۔

تشریح: زاد المعاد کے مقدمہ میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے معرفتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے بڑی اہم بات ارشاد فرمائی ہے۔ ''ومن ھاھنا تعلم اضطرار العباد فوق کل ضرورۃ الی معرفۃ الرسول....... فانہ لا سبیل الی السعادۃ والفلاح لا فی الدنیا ولا فی الآخرۃ الا علی ایدی الرسل.......فالضرورۃ الیھم اعظم من ضرورۃ البدن الی روحہ والعین الی نورھا والروح الی حیاتھا'' آدمی کی ضرورتوں میں سب سے بڑی ضرورت رسول کی پہچان ہے....... دنیا و آخرت میں سعادت وفلاح کا دارومدار اسی پر موقوف ہے....... جتنی ضرورت بدن کو روح کی، آنکھوں کو روشنی کی اور روح کو اس کی حیات کی ہے اس سے کہیں زیادہ ضرورت انسانیت کو اپنے محسن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہوتی ہے، فطری بات یہ ہے کہ جب تک انسان اپنے محسن کی شناخت اور اس کے احسان وکمالات کا معترف نہیں ہوتا تب تک اس کے حقوق کی ادائیگی کی فکر نہیں کرتا، اس امت کے محسن اعظم فداہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق قرآن وحدیث میں مختلف بیان کیے گئے ہیں لیکن مذکورہ آیت میں چار حقوق کا تذکرہ ہے جو دراصل تمام حقوق کا مجموعہ ہے۔

پہلا حق:- امت پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے اہم اور پہلا حق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا آخری رسول مانے اور اس کی گواہی بھی دے، قرآن کریم نے متعدد مقامات میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (التغابن:۸) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ

* ذمہ دار مدرسہ ادارہ حسیب المدارس، کھٹکیسر

النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ (الاعراف:۱۵۸)۔ ایسے ہی نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوپر ایمان لانے والوں کو خوش خبری اور ایمان نہ لانے والوں کو بڑی وعید سنائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ''طوبیٰ لمن رآنی و آمن بی و طوبیٰ سبع مرات لمن لم یرنی و آمن بی''۔ (مسند احمد: ۲۲۱۳۸) خوش خبری اس شخص کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لے آیا اور سات مرتبہ خوش خبری ہے اس شخص کے لیے جس نے مجھے نہیں دیکھا پر مجھ پر ایمان لے آیا۔'' ایک دوسری حدیث میں فرمایا: ''والذی نفس محمد بیدہ لایسمع بی احد من ھذہ الامۃ یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار'' (مسلم: ۱۵۳) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جان ہے اس امت کا کوئی شخص چاہے یہودی ہو یا نصرانی میرے بارے میں سنے اور پھر اس حالت میں اس کی موت آئے کہ وہ اس شریعت پر ایمان نہ لائے جسے دیکر مجھے مبعوث کیا گیا تو وہ بالیقین اہل جہنم میں سے ہوگا۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے حق میں دونوں باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے پہلی بات آپ کی رسالت پر ایمان لانا جس کو قرآن وحدیث کے ذریعے واضح کیا گیا ہے دوسری بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا بندہ ماننا، قرآن مجید نے نبی کی ذات بابرکت کے لیے لفظ ''عبد'' کو پسند فرمایا ہے سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر (۱) سورہ کہف کی آیت نمبر (۲) سورہ فرقان کی آیت نمبر (۳) اور سورہ حدید کی آیت نمبر (۹) میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے لفظ ''عبد'' استعمال فرمایا ہے۔ البتہ یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''عبدہ'' میں عبد کی نسبت اپنی جانب کر کے شان محبوبیت کو ظاہر فرمایا اور دوسری طرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بذات خود اپنے لیے لفظ عبد زیادہ پسندیدہ تھا بلکہ اپنے اصحاب کو بھی اس کا حکم فرماتے: ''لا تطرونی کما اطرت النصاری ابن مریم انما انا عبدہٗ فقولوا عبداللہ ورسولہ'' (بخاری: ۳۴۴۵) میری تعریف وتعظیم میں حد سے تجاوز مت کرو جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم (علیہ السلام) کی تعریف وتعظیم میں حد سے تجاوز کیا، میں تو محض ایک بندہ ہوں، لہٰذا تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہو۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ''بندے'' ضرور ہیں لیکن ہماری طرح نہیں بلکہ وہ ارفع واعلیٰ، انسب وافضل، اجمل واکمل، اروع واخیر، اجود واطہر تھے، آپ معصوم ومحفوظ تھے، آپ کی مدح سرائی کے لیے زبان میں طاقت نہیں، قلم کو یارا نہیں، الفاظ کو معیار نہیں ـــــ کہنے کو ایک ہی جملہ ہے ـــــ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

بلغ العلی بکمالہ   کشف الدجی بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ   صلوا علیہ وآلہ

درسِ حدیث



آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ بیانِ قرآن ہے

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ سَعدِ بنِ هشامٍ رحمه الله: قُلتُ: يَا أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنْبِئِينِي عَنْ خُلُقِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم، قَالَتْ: أَلَسْتَ تَقرَأُ الْقُرْآنَ؟ قُلتُ: بَلَى، قَالَتْ: فَإِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم كَانَ الْقُرْآنَ (رواہ مسلم:746)

ترجمہ:۔ حضرت سعد بن ہشام رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا: آپ مجھے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خُلقِ مبارک کے بارے میں بتلایئے، انہوں نے کہا: کیا تم قرآن نہیں پڑھتے ہو؟ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں! انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق قرآن ہی تھے، (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت وکردار قرآن کا عملی نمونہ تھا)

تشریح:۔ کسی بھی انسان کے کردار وگفتار قول وعمل کے قابلِ قبول اور لائقِ تقلید قرار دیے جانے کے لیے جو چیز سب سے زیادہ مؤثّر اور نہایت ہی اہم کردار ادا کرتی ہے، وہ اس کے اخلاق کی تکمیل وتحسین ہے، حسنِ اخلاق گنجینۂ سعادت اور لازوال نعمت ہے، انسان کے انسانیت کی تکمیل کی علامت بھی ہے اور بندے کی عبدیت و بندگی کی شان بھی، شرافت وکرامت کا ثبوت بھی ہے تو رفعت وسربلندی کی دلیل بھی ہے، انسان ظاہری اعتبار سے کچھ بھی امتیاز (دولت ثروت، منصب وعہدہ، حسب ونسب وغیرہ) رکھتا ہو؛ لیکن اس کی اصل پہچان اس کے حسنِ اخلاق کا زیور ہے، پھر یہ کہ حسنِ اخلاق کا ثمرہ رب تعالیٰ کی رضا وقرب اور آخرت میں کامیابی کا ذریعہ ہے تو معاشرتی زندگی میں راحت سکون اور لوگوں کے دلوں میں محبت والفت کے پیدا ہوجانے کا وسیلہ بھی ہے، بہرحال حسنِ اخلاق کا نصیب ہوجانا ایک قابلِ فخر عزّ وشرف ہے، نیز یہ بات بھی پیشِ نظر رہے کہ اخلاق صرف ظاہری طور طریقوں میں رکھ رکھاؤ، رہن سہن میں ایک دوسرے کی تعظیم وتوقیر کے خیال اور میل ملاپ میں بشاشت وخندہ پیشانی سے پیش آنے تک محدود نہیں ہے؛ بلکہ اخلاق ایک وسیع المعنی اور طویل الذیل

* استاذ حدیث وفقہ ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

لفظ ہے، یعنی گفتگو میں نرمی، ملاقات میں خندہ پیشانی، معاشرت میں ایثار و خدمت، معاملات میں دیانت و امانت، خلقِ خدا کے شفقت و مہربانی، کردار و گفتار میں شرم و حیا، باہمی تعاون و امداد میں سبقت، حقوق العباد کی ادائیگی میں نہایت درجہ احتیاط، ظلم و زیادتی کی صورت میں عفوو درگزری، جاہلانہ انداز سے سابقہ پڑنے کی صورت میں تحمّل و بردباری، سب انسانوں حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک و خیر خواہی، مختصر یہ کہ اپنے قول و عمل سے کسی کو تکلیف نہ پہنچنے دے کر راحت و خدمت کا احساس ''حسنِ اخلاق'' کی علامت ہے۔

پیشِ نظر حدیث میں امّ المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اخلاق کے بارے میں سوال کیا گیا: کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاقِ مبارکہ کیسے تھے؟ اس کے جواب میں صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جو مختصر اور جامع بات ارشاد فرمائی وہ درحقیقت شانِ رسالت و مقامِ نبوت کے ادراک کا حصہ اور انہی کی شان ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سائل سے پوچھا: کہ کیا تم قرآن مجید نہیں پڑھتے ہو؟ سائل نے کہا: کیوں نہیں ہم قرآن مجید پڑھتے تو ہیں، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کہ جو قرآن ہے وہی نبی کے اخلاق ہیں، یعنی یوں سمجھو کہ قرآن ایک ظاہری الفاظ و عبارت کی شکل کا نام ہے، اور اس کا مجسّم نمونہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے، ظاہر سی بات ہے کہ قرآن ہی وہ کتاب ہے جس میں رب تعالیٰ نے اپنے بندوں سے جس قسم کی بندگی کو چاہا ہے بیان فرما دیا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کتابِ مقدس کے سب سے پہلے عامل تھے، اس وجہ سے ہر وہ خوبی جو قرآن میں بیان کی گئی ہے وہ حضور علیہ السلام میں نہ صرف موجود بلکہ بدرجہ اتم موجود تھی، اور جس چیز کو اللہ پاک نے پسند نہیں فرمایا اس سے حضور علیہ الصلاۃ والسلام کی شخصیتِ مقدسہ نہایت درجہ پاکیزہ اور صاف ستھری تھی، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہی وہ اعلیٰ کردار ہے جس کے بارے میں اللہ نے فرمایا: وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝۴

ہم سب مسلمانوں کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی اسوۂ حسنہ اور نمونہ کامل ہے جب یہ تسلیم ہے تو پھر تعمیل میں تاخیر کیوں؟ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ تعلق و محبت کا تقاضہ ہے کہ اپنی سیرت و کردار اور عادات و اطوار کا سیرتِ نبوی کے ساتھ موازنہ کریں، اگر اس سانچہ میں ڈھلتا ہے تو بہت خوب، ورنہ تو پھر اُس شفاف آئینہ میں نظر کر کے درستگی اور اصلاح سے دریغ نہ کریں کہ دراصل یہی حبِ نبی کا تقاضہ اور نجاتِ اُخروی کا وسیلہ ہے۔

حق تعالیٰ ہمیں اسوۂ حسنہ اور اخلاقِ حسنہ کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پیش گفتار

ہدایت اللہ کی بڑی نعمت ہے

از: مدیر

خانقاہِ سعیدیہ کے زیرِ اہتمام سہ روزہ اصلاحی وتربیتی مجالس کی ایک نشست میں مخدومی و مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب دامت برکاتہم نے علماء کے فرضِ منصبی اور عوام کے علماء سے مربوط رہنے کے فوائد اور اعراض کے نقصانات پر بالتفصیل خطاب فرمایا، راقم آثم نے افادۂ عام کی غرض سے اُسے تحریراً مرتب کرنے کی سعی کی ہے، اللہ پاک قبول فرمائے۔

از: محمد احمد علی قاسمی غفرلہٗ

ہدایت اور اہلِ ہدایت کا ملنا، اللہ پاک کی عظیم نعمت ہے:

ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے، اور جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت عطا فرمائی ہے وہ بہت ہی خوش قسمت اور سعادت مند ہیں، ان کے پاس دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے، سیدھے راستے کا مل جانا اور سیدھے راستے پر چلانے والے کا مل جانا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، صحابہ کرامؓ نے ہدایت کے مقابلے میں ہر چیز کو قربان کردیا، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بادشاہ کے یہ کہنے پر کہ ''آپ کی باتوں سے میں اتنا متاثر ہوا کہ میرے دل میں آرزو ہوتی ہے کہ میں آپ کا بھائی ہوتا'' فرمایا:- کہ اس میں کیا مشکل ہے؟ کلمہ پڑھ لو، اور ہمارے بھائی ہو جاؤ، اور اگر کلمہ نہیں پڑھتے تو ہم نے سگے بھائیوں کو اس کلمے کے لیے قربان کیا ہے، آپ کو کیا بھائی بنائیں گے؟ معلوم ہوا کہ کلمہ کے مقابلے میں کسی چیز کی کوئی ویلیو نہیں؛ کلمہ کیا ہے؟ کلمہ لا الہ الا اللہ ہدایت کا عنوان ہے، جس کو یہ کلمہ نصیب ہو گیا، اُسے ہدایت کی دولت مل گئی، اس سے بڑھ کر خوش قسمت و سعادت مند کوئی بھی نہیں، اسی وجہ سے صحابہ کرامؓ کو ہدایت کے بعد کبھی کسی دنیاوی نعمت کے نہ ملنے کا غم نہیں

ہوا، وہ بہت مشکلات سے گزرے، وطن سے بے وطن ہوئے، خاندان کو خیر آباد کہا، کسی کی بیوی مسلمان نہیں ہوئی تو اُسے چھوڑ دینا پڑا، کسی کا شوہر مسلمان نہیں ہوا تو اسے شوہر کو چھوڑ دینا پڑا، بہن مسلمان نہیں ہوئی بھائی نے چھوڑ دیا، بھائی مسلمان نہیں ہوا بہن نے چھوڑ دیا، بیٹا مسلمان نہیں ہوا ماں باپ نے چھوڑ دیا، ماں باپ مسلمان نہیں ہوئے بیٹے نے چھوڑ دیا، گھر بار چھوڑا، خاندان چھوڑا، اپنی پراپرٹی جائیداد موروثی زمینیں اور مکانات سب چھوڑ دیے، قلاش و مفلس ہو جانا پڑا، سب کچھ گوارا کیا، ہجرت کر کے مدینے میں آ گئے، جو ملا سو کھا لیا، جو ملا سو پہن لیا، کوئی ٹھکانا ہوا ہوا، نہیں ہوا نہیں ہوا، کسی معیار کی فکر نہیں، مسجد کے چبوترے پہ زندگی گزار لی؛ لیکن ان کو کسی چیز کے نہ ہونے کا کبھی غم نہیں ہوا، اس لیے کہ جب ان کے پاس ایمان کی مایہ تھی تو اس کے بعد ان کو کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی؛ ہمیں ایمان کی قدر و قیمت کو جاننا ہے، ہدایت کی قیمت کو پہچاننا ہے، آج بھی جو بندہ ہدایت کی قدر و قیمت کو پہچان لے گا اس کے لیے پھر کسی اور دنیاوی نعمت کے نہ ہونے کا کوئی غم نہ ہوگا، مل گئی اللہ کا کرم ہے۔ دعا بھی مانگ سکتے ہیں، کوشش بھی کر سکتے ہیں، پر ملے نہ ملے! ہم کو ہدایت ملی ہوئی ہے تو پھر کوئی مسئلہ اور کوئی پریشانی نہیں۔

اہلِ ہدایت ہی کامیاب وفائز المرام ہیں

آخرت کی ہمیشہ کی زندگی ہدایت والوں کے واسطے ہے، گمراہوں کے واسطے نہیں، جن کو ہدایت دنیا میں ملی ان کو آخرت میں جنت ملے گی، نعمائے جنت ملیں گے، ابدی عزت اور سرخروئی ملے گی، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا ملے گی، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:- وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ (التوبۃ:۷۲) یعنی اللہ کی طرف سے خوش نودی تو بڑی نعمت ہے۔ نیز فرمایا: لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ (سورۂ یونس:۲۶) جن لوگوں نے اچھے کام کیے، ان کا بدلہ کیا ہے؟ اَلْحُسْنٰى یعنی جنت، اور اس کی نعمت ہے، چوں کہ وہ حسین اور خوبصورت ہے، دلوں کو مائل کرنے والی، جی لگانے والی ہے، اس لیے ان کے لئے الحسنیٰ ہے، فرمایا: جن لوگوں نے اچھی زندگی گزاری، اچھے کام کیے، ایسے لوگوں کی زندگی حسین ہے تو ان کا بدلہ بھی حسین ہے، اور وہ ہے جنت، لیکن آگے فرمایا: وَزِيَادَةٌ بدلے کے علاوہ کچھ اور بھی ہے، ایک تو تمہارے اعمال کا بدلہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے انعام کے طور پر نواز دیا؛ وہ بھی بہت ہے، چوں کہ مکلف ہونے کے بعد جو نیک کام بھی ہم کریں گے، اس کی مدت ۵۰، ۶۰ سال سے زیادہ نہیں ہے، زندگی میں کام کرنے کی مہلت ۵۰، ۶۰ سال سے بڑھ کر کس کو ملتی ہے؟ اس کا ابدی زندگی میں اللہ تعالیٰ جو بدلہ دیتے ہیں وہ اس سے زیادہ ہے؛

بل کہ بہت زیادہ ہے؛ لیکن اللہ فرمارہے ہیں: وہ بدلہ تو دیں گے؛ لیکن اس کے بعد کچھ اور بھی ملے گا، جو بدلے میں نہیں ہوگا، جو تمہارے حسنِ عمل کا عوض نہیں ہوسکتا، تمہاری کتنی ہی اچھی پیاری زندگی ہو، اس کی قیمت نہیں بن سکتا، وہ چیز الگ سے ملے گی، اُسے حساب میں نہیں لایا جاسکتا، وہ ہے زیادۃ۔ زیادۃ کیا چیز ہے؟ مفسرین فرماتے ہیں: کہ زیادۃ دیدارِ الٰہی کی نعمت ہے؛ کیوں کہ وہ عوض نہیں ہوسکتی، اسے قربانی سے نہیں پاسکتے، 10 ہزار برس کی زندگی ملے، اور ساری زندگی مجاہدے میں گزر جائے؛ تو بھی اُس کے بدلے اللہ کے دیکھنے کی نعمت کو نہیں پاسکتے، دیدارِ خدا کسی عمل کی قیمت نہیں بن سکتی، اس لیے اعمال کی قیمت میں تو تمہیں جنت دے دی جائے گی؛ لیکن احسان میں تم کو اللہ تعالیٰ اپنا دیدار عطا فرمائے گا، اور آگے دوسری نعمت کو بیان فرمایا: وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ، ان کے چہرے قیامت کے دن سیاہ اور ذلیل نہیں ہوں گے، کیوں کہ بدنصیب بے ہدایت سب رسوا ہوں گے، اہلِ ہدایت کے چہرے چمک رہے ہوں گے، ہنس رہے ہوں گے، ایک دوسرے کو خوش خبری دے رہے ہوں گے کہ ہمارا کام بن گیا، اس دن کے واسطے تھوڑی تکلیف زندگی میں ضرور اٹھائی؛ لیکن آج تو کام بن گیا، اللہ ہماری طرف فضل و رحمت سے متوجہ ہے، وُجُوهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ (القیامۃ) یعنی اس دن بہت سے چہرے شاداب ہوں گے، اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ﴿٢٣﴾ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے، اس لیے دیکھ سکیں گے کہ اللہ ناراض نہیں ہے۔ دوسری جگہ فرمایا: ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ اُس دن کتنے چہرے چمکتے دمکتے ہنستے خوشی مناتے ہوں گے۔ وہاں باغی سرکش نافرمان کفار بھی ہوں گے مگر ان کے چہرے رسوا مرجھائے ہوئے ہوں گے، مایوسی ٹپک رہی ہوگی، افسوس اور صدمے میں ہوں گے، سوچنا چاہیئے کہ ہدایت کتنی بڑی نعمت ہے، جس کے بغیر آخرت کا مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

دنیا محض چند روزہ زندگی کا نام ہے

جو ہم سے پہلے لوگ تھے، سب چلے گئے، کوئی بھی نہیں رہا، فی الحال ہم رہ رہے ہیں، تو ہم بھی کیا رہیں گے، جب کوئی نہیں رہا تو ہم بھی نہیں رہیں گے، اللہ نے نبیوں کو بھی مسلسل زندگی نہیں دی، ایک دن موت نے ان کی دنیاوی زندگی کا بھی خاتمہ کردیا۔

خدا جانے یہ دنیا جلوہ گاہِ ناز ہے کس کی
ہزاروں اُٹھ گئے رونق وہی باقی ہے محفل کی

کتنے اس دنیا سے چلے گئے، ان کے جانے کا اب دنیا میں کوئی غم ہی نہیں، سڑک پہ خدانخواستہ کسی کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، اس کی لاش پڑی ہے، اِس حادثہ کا اس کے اپنے خاندان پہ تھوڑا سا صدمہ ہوگا، اور وہ بھی ایک

دن، دو دن، تین دن میں ختم ہو جائے گا، باقی نہیں رہے گا، اس کے گھر میں بھی ایک دن غم ختم ہو جائے گا، کسی کے دل پہ کوئی غم نہیں، دنیا جیسی تھی ویسی ہے، اپنے اپنے کاموں میں سب لوگ لگے ہوئے ہیں، کس قدر خوش رنگ ہے یہ دنیا، جس پر دل مر رہا ہے، کھپ رہا ہے، دنیا کی ہر چیز دل لبھانے والی ہے، کتنا ہی اللہ دے پھر بھی دوسرے کی چیز دیکھ کر اس کی طرف دل جاتا ہے، کتنی حسرتیں ہیں، کتنی اُمیدیں ہیں، انسان کی حرص نہ ختم ہونے والی ہے، نہ کم ہونے والی ہے؛ بلکہ حدیث میں آتا ہے: کہ آدمی کی عمر بڑھتی جاتی ہے؛ مگر اُس کے اندر دو چیزیں جوان ہوتی رہتی ہیں، طولِ امل اور حرص۔ (صحیح مسلم: 2412) حالاں کہ مرنے کے قریب ہے، مگر حرص میں اضافہ جوانی سے بھی زیادہ بڑھاپے میں ہوتا ہے۔

یوں تو دنیا دیکھنے میں کس قدر خوش رنگ تھی
قبر میں جاتے ہی دنیا کی حقیقت کھل گئی

وہاں جا کے پتہ چلا کہ دنیا کی کیا حیثیت ہے، لیکن وہاں پتہ چلنے کا کیا فائدہ ہے؟ نبی کریم ﷺ نے یہیں پر ہمیں بتا دیا ہے، نبی ﷺ کی بات پر یقین ہو تو وہاں جا کے تجربہ کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اِسی دنیا میں معلوم ہو گیا، اس لئے یہیں قبول کر لو۔

اسلامی عقائد میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی منظم سازش

اب عقائد میں شکوک وشبہات کا مرض عام ہونے لگا؛ اس کا سبب وہ اسلامک سکالرز ہیں، جنہیں ٹرینڈ کر کے مسلمانوں میں اسی طرح بھیجا گیا ہے، جس طرح سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ٹرینڈ کر کے ابن الضبیع کو مدینے کے سماج میں بھیجا، حضرت عمرؓ کی حسنِ تدبیر اور سیاسی بصیرت نے فوراً ہی اُس کا خاتمہ کر دیا تھا، اب کوئی عمر نہیں جو ایسے فتنوں کا قلع قمع کر دے، کوئی عمر ہوتا اور اس کا قلع قمع کر دیتا تو ملت اسلامیہ بچ جاتی؛ جیسے اس وقت بچ گئی تھی، ان سازشوں سے اب کوئی روکنے والا نہیں ہے، بل کہ ایسے عالمی قوانین بنائے گئے ہیں جن کی آڑ میں مذہبِ اسلام کو بدنام کیا جا سکتا ہے، انہی قوانین میں ''اظہارِ رائے کی آزادی'' کا قانون بھی ہے، یہ صرف اس لیے بنایا گیا کہ اسلام اور شارعِ اسلام ﷺ کی شخصیت کو اور ان کی شبیہ کو مسخ کیا جائے، اس کا نام رکھا گیا ''اظہارِ رائے کی آزادی''، اب پورے عالم میں دیکھ لو کہ اسلام کے خلاف بولنے کی آزادی ہے، کسی اور مذہب کے خلاف بھی بولا جاتا ہے؟ عملاً آپ کسی کو کچھ نہیں بولیں گے، اگر ایسا ہو جائے تو بات کورٹ میں چلی جائے گی، شخصیت کی حرمت کا مسئلہ بن جائے گا، آپ وہاں فیل اور ناکام ہو جائیں گے، اور آپ کو مجرم قرار دیا جائے گا، لیکن اگر شارعِ اسلام کے بارے میں، اسلام کے بارے میں، اور قرآن کے بارے میں کہا جائے تو

فوراً یہ والا قانون آجائے گا کہ یہ اظہارِ رائے کی آزادی ہے، ہر شخص کا اپنا خیال ہوتا ہے، بہر حال جتنے قوانین عالمی طور پر بنائے جارہے ہیں، اُنہیں دیکھ کر بظاہر سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ سب کے فائدے کے لیے ہیں؛ حالاں کہ ایسا ہرگز نہیں، بل کہ یہ اسلام کو چھوڑ کر سب کے فائدے کے لئے ہیں، اس میں مسلمان کو چھوڑ کر سب کے فائدے ہیں۔ بہ ہر حال اس اظہارِ رائے کی مخصوص آزادی کی وجہ سے شک اور شبہ اس دور کا سب سے بڑا اور خطرناک مرض بن گیا ہے، جس میں امتِ مسلمہ مبتلا ہوتی چلی جارہی ہے، خصوصاً پڑھے لکھے لوگ؛ کیوں کہ وہ لوگ علماء سے زیادہ جڑتے نہیں ہیں، اور اب ان کے شکوک وشبہات ایسے ہو گئے ہیں کہ اگر کسی مفتی کے سامنے رکھو تو شاید ان کا مسلمان ہونا بھی مشتبہ ہو جائے، اسلام اور اہلِ اسلام کے خلاف ایک گروہ باضابطہ تیار کیا گیا، جو پوری طرح حملہ آور ہے، آپ اُن کی گفتگو سنیں گے، شکل وشباہت دیکھیں گے، تو ذرا بھی ڈاؤٹ نہیں ہوگا کہ یہ اسلام کو مٹانے کے مشن پر کام کررہے ہیں۔

انجینئر علی مرزا کا فتنہ

جیسے انجینئر علی مرزا ہے، بڑی پگڑی، داڑھی مسنون، وضع قطع سب کچھ ایسا جس سے اس کا تدین وتقویٰ صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے؛ باتیں ایسی کرتا ہے کہ جس سے توحید وآخرت کا عقیدہ درست ہونا اور اس کا دین پسند ہونا ظاہر ہوتا ہے، اور آدمی اس سے متاثر ہو جاتا ہے کہ یہ تو بہت دین دار اور علم والا آدمی ہے، لیکن انہی باتوں میں اللہ کے بارے میں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں، صحابہؓ کے بارے میں، دینِ اسلام کے بارے میں، مجتہدین ومحدثین کے بارے میں جو غلاظت ملا دیتا ہے اُس کا سمجھنا عام آدمی کے لئے مشکل ہے، جھوٹ پر جھوٹ بول کر سو فیصد علم میں خیانت کر کے وہ اپنے من کی گھڑی ہوئی باتیں پیش کرنے کے بعد یہ کہتا ہے کہ روئے زمین پر دلیل سے بات کرنے والا ہمارے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، ایسا سو فیصد سچا اور برحق ہونے کا دعویٰ جھوٹا ہی کرسکتا ہے، لیکن لکھو کھا مسلمان اس کے ویورز اور فالوورز ہیں، یہ ایک ہی نہیں ایسے بیسیوں لوگ ہیں جو ٹرینڈ کر کے کام پر لگا دئے گئے ہیں جو دینِ اسلام اور اس کی جڑوں کو کھوکھلا کر دینے کے درپے ہیں، پیسہ کہاں سے آتا ہے؟ تو جو اِن کے آقا ہیں وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوتے ہیں، دنیا لے لو اور دین بیچ دو، ایسے لوگوں کی وجہ سے نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد ہمارے ہندوستان میں ہمارے شہروں میں مہاراشٹر میں کرناٹک میں تلنگانہ میں (کم از کم پورے جنوب میں میں بکثرت جاتا آتا ہوں) ہر جگہ نظر آتا ہے کہ نوجوانوں کی بڑی تعداد فکری گم راہی میں مبتلا ہورہی ہے اور جدید تعلیم یافتہ مسلمان سنیت کے مقابلے میں رفض وشیعیت کو پسند کررہے ہیں، اُن کے قلوب کا میلان شیعیت کی طرف ہوتا جارہا ہے، بہت سارے نوجوانوں کی گفتگو سے

اندازہ لگایا جاسکتا ہے ان کے دل میں صحابہ کرامؓ سے شکایت اور بغض ہے۔ حیدرآباد میں بھی ہمارے نوجوان علماء جو ختم نبوت کا اچھا کام کررہے ہیں، مختلف پلیٹ فارم سے اپنے اپنے محلوں میں بستیوں میں نوجوانوں میں محنت کررہے ہیں؛ انہوں نے اسی محرم کے مہینے میں مجھے بتایا کہ ہمارے محلے میں ہماری مسجد کے جو بچے کل سنی تھے، اب شیعیت کا اسٹیٹس رکھے ہوئے ہیں، اور جب انھیں سمجھانے کی بات کرو تو صاف کہہ رہے ہیں کہ آپ لوگوں نے ہم کو اندھیرے میں رکھا ہے، صحابہؓ ہی نے اہلِ بیت پر ظلم کیا ہے، ہم نہیں مانتے ابوبکرؓ و عمرؓ کو، جو ہمارے نبی کے گھر والوں پر ظلم کئے ہیں، جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی زمین چھین لیے، جو حضرت عباسؓ پر ظلم ڈھائے ہیں، اور اس قسم کے عقائد قلوب میں چھپائے ہوئے ہیں، شیعیت ایسا فرقہ ہے کہ ان کے عقائد میں ایک عقیدہ ''تقیہ'' ہے، یعنی عقیدے کو چھپانا، اور اگر یہ سمجھ میں آجائے تو جتنے لوگ اندر سے شیعہ بن کر اپنے کو سنی بتارہے ہوں گے، سب ظاہر ہوجائیں گے۔

ایسا کیوں ہو رہا ہے؟

ایسا کیوں ہورہا ہے؟ اس کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ جو حق ہے اور جس کے پاس حق ہے وہ عوام الناس تک اپنی آواز پہنچا نہیں پا رہے ہیں، عوام الناس کو علماء تک جانے بھی نہیں دیا جارہا ہے، جو لوگ اہل سنت والجماعت کے عقائد پر بصیرت کے ساتھ واقفیت رکھنے والے ہیں، اہل سنت والجماعت کے عقائد کو صحابہؓ کے مسلک اعتدال کے ساتھ قائم رکھے ہوئے ہیں، اور جو سلف کی تحقیق پر خلف کی تحقیق کے مقابلے میں اعتماد کرتے ہیں، اور اسی کو اپنے لیے ثبوت اور دلیل سمجھتے ہیں وہ علماء عوام تک پہنچ نہیں پارہے ہیں، برخلاف دیگر کام کرنے والے عوام سے جُڑے ہوئے ہیں اور عوام کو اِن علماء تک پہنچنے نہیں دے رہے ہیں، ہر جگہ غور کر کے دیکھ لو یہ دو کمیاں ہیں، علماءِ اہل حق عوام سے دور ہیں اور عوام ان سے دور ہے بل کہ باقاعدہ دور کی جارہی ہے۔

جماعتِ اسلامی کا سازشی کردار

کیا جماعت اسلامی اپنی عوام کو علماء سے ملنے دیتی ہے؟ علماء سے دین سیکھنے دیتی ہے؟ علماء کی مجلسوں میں بیٹھنے دیتی ہے؟ علماء کے بیانات میں شرکت کرنے دیتی ہے؟ اُن کے نوجوان کبھی علماء کے پاس آکر ان سے کچھ سیکھتے ہیں؟ بس یہ ہے کہ کوئی مسئلہ پیش آجائے تو فتویٰ لے لیتے ہیں، لیکن فکر کی درستگی کے لیے کیا علماء کے محتاج ہیں؟ نہیں، بلکہ الٹا پورے ہندوستان میں جماعت اسلامی علماء کو اپنی فکر کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے، پہلے تو علماء کو بے وقوف سمجھتے تھے، کسی دوسری دنیا کے باسی سمجھتے تھے، اب ''وفاق العلماء'' قائم کررہے ہیں، اور چاہے مظاہری ہوں، قاسمی ہوں، ندوی ہوں، رشادی ہوں، چاہے کوئی ہوں، کہیں ہوں، اگر

کوئی اچھے خطیب اور اچھے عالم ہیں، بستی میں کچھ اچھا کام کررہے ہیں، ان سب کو ''وفاق العلماء'' سے جوڑ کر اپنی فکر کو ان کے اندر داخل کرنے کی کوشش جماعتِ اسلامی کررہی ہے، نام اس کا ہے ''علماء کا اتحاد''، میرے پاس آئے تو میں نے پوچھا آپ کا کیا مقصد ہے؟ ہمارے پاس علماء کی بہت سی تنظیمیں ہیں، جمیعت علماء ہے، تحفظ ختم نبوت ہے، جگہ جگہ مجلس العلماء ہے، ہر ضلع کے لیے وہاں کے علماء کا اپنا ایک جوڑ اور وفاق ہے، آپ کیا بنانے جارہے ہیں؟ آپ کو علماء کی کیا ضرورت پڑی ہے؟ تو کہنے لگے: حالاتِ حاضرہ سے علماء کو باخبر رکھنا، حالاتِ حاضرہ میں کام کرنے کا حوصلہ اور رہنمائی دینا، علماء کو جوڑنا، اتحاد پیدا کرنا یہ ہمارا مقصد ہے؛ لیکن طرزِ عمل کیا ہے؟ طرز عمل دیکھو تو کوئی مقصد نہیں ہے؛ سوائے اس کے کہ چوں کہ ان کے طبقے میں علماء نہیں رہے، پہلے کبھی تھے، اب وہ بھی نہیں رہے، تو علماء کو باہر سے لینا اور اپنے سانچے میں ڈھالنا، اور ان کی جو فکر کی وسعت اور اعتدال ہے، اس کو ختم کرکے افراط وتفریط میں مبتلا کرنا ہے، یہ لوگ پہلے دھیرے دھیرے اپنا لٹریچر دینا شروع کرتے ہیں، سالانہ پروگرام رکھتے ہیں، ہر علاقے کے اندر علماء کو جوڑتے ہیں، عزت وادب اور محبت سے جوڑتے ہیں، اپنی گاڑیوں میں لے جاتے ہیں، نذرانہ پیش کرتے ہیں، اور لٹریچر دیتے ہیں، اور اُن کے جو ایک دن یا دو دن کے تعارفی لیکچرز ہوتے ہیں، اِن لیکچرز کے ذریعے سے اُن کے اپنے مدرسوں میں بنے ہوئے ذہن اور فکر سے انحراف پیدا کرکے اپنا نظریہ اور خیال داخل کرنے کا کام کرتے ہیں، یعنی بجائے اپنے ہاں علماء پیدا کرنے کے ہمارے تیار کیے ہوئے علماء کو اپنی فکر کے سانچے میں ڈھال کر استعمال کرنا اُن کو آسان لگ رہا ہے۔

تبلیغی جماعت کی فکری گم راہیاں

تبلیغ والے کیا کررہے ہیں؟ مدارسِ اسلامیہ میں تیار کردہ علماء سے اور ان کے علم سے اپنی فکر کو سدید اور مستقیم بنالینے کے بہ جائے علماء کے سال سال لگا کر اپنی افراط وتفریط والی فکر ان پر مسلط کررہے ہیں، حالاں کہ علم کی فکر مخصوص نہیں ہونی چاہیے، عالم کی فکر کتاب وسنت کی پابند ہونی چاہیے، لیکن اہلِ تبلیغ ان کو اس طریقے سے روک رہے ہیں اور اپنے لوگوں کو علماء سے ملنے بھی نہیں دیتے، ایک مرتبہ وقت لگا کے آئے گا، کسی عالم کے درس میں نہیں بیٹھے گا، کسی کا بیان نہیں سنے گا، یہ تو اپنوں کا حال ہے۔

غیر مقلدین کا طرزِ عمل

غیر مقلدین کیا کررہے ہیں؟ ان کا کام ہے عوام کو علماء سے جڑنے نہ دیا جائے، بل کہ علماء سے دور رکھنا ہے، اس لیے کہ علماء صراطِ مستقیم کی راہ نمائی کرتے ہیں، علماء دین میں اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں، دین میں نہ مداہنت کی اجازت دیتے ہیں نہ تجاوز کی، نہ تفریق کی، لہٰذا عوام کو علماء سے دور رکھو۔ میں کہتا ہوں کہ آپ چاہے

نماز اپنے طریقے پر پڑھ لو، جس کو آپ سنت سمجھتے ہیں؛ لیکن علماء سے کیوں کاٹا جا رہا ہے؟ علماء سے کیوں ملنے نہیں دیا جا رہا ہے؟ سب کی دال میں کالا ہے کہ علماء تک جائیں گے تو وہ والا دین آئے گا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیش کیا تھا، جو سلف کا اور محققین ومحدثین کا دین تھا، اس دین کو آنے نہیں دینا ہے، اس لئے علماء سے بدگمان اور دور کر رہے ہیں۔

شکیلیوں کے ناپاک عزائم

شکیلی کیا کر رہے ہیں؟ وہ تو ایک حدیث پیش کر دیتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب مہدی کا ظہور ہوگا تو علمائے سوء ان کی مخالفت کریں گے؛ لہذا جو علماء بھی یہ بول رہے ہیں کہ ''شکیل مہدی نہیں ہے'' وہ علماءِ سوء ہیں، اور علمائے سو سے ملنا اپنے دین وایمان کو خراب کرنا ہے، جو اورنگ آباد میں جا کر کے نام نہاد یسوع مسیح سے بیعت کر کے آرہا ہے اس کو پہلا سبق وہاں یہ دیا جاتا ہے کہ آج کے بعد کسی عالم سے بات نہیں کرنا، وہ بھی علماء سے روکتا ہے۔ اپنے اور پرائے جانے انجانے سب کا پہلا سبق ہے علماء سے مت ملو۔

ایجوکیٹڈ طبقہ کا حال

اور یہ جو ہمارا ایجوکیٹڈ طبقہ ہے ان کی نظر میں تو علماء پرانے زمانے کی باتیں کرتے ہیں، لہذا وہ تنگ نظر اور دقیانوس ہیں، اس لیے ان کو بھی علماء سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، اور یہ جو انٹرنیٹ پر اور چینلز پر بیٹھ کر عوام کو دین بتلا رہے ہیں جن کا علم سے کوئی تعلق نہیں، ایسے لوگ ان کو اچھے لگ رہے ہیں کہ یہ لوگ وسیع النظر ہیں۔

کسی بھی شخص یا جماعت کے حق پہ ہونے کا اعتبار کیسے ہوگا؟

یاد رکھو! قرآن مجید پیش کر دینا حق ہونے کی دلیل نہیں، حدیث صحیح پیش کر دینا اُس کی بات کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہے، کتاب وسنت برحق ہے؛ لیکن کتاب وسنت کے نام سے جو بات لائی جا رہی ہے اُس بات کا سلف کی تحقیق سے متفق ہونا ضروری ہے، اگر سلف کے علم سے متفق نہیں تو چاہے قرآن کے نام سے کہے، چاہے حدیث کے نام سے؛ وہ گمراہی ہی گمراہی ہے، کیا قادیانی قرآن نہیں پیش کرتا ہے؟ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنۡ رِّجَالِكُمۡ وَلٰـكِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کی تفسیر وہ خود نہیں کرتا؟ وہ لوگ قرآن کریم کی کتنی آیتیں دلیل میں پیش کرتے ہیں، ان سے مناظرے ہوتے ہیں تو قادیانی بھی قرآن وحدیث کے حوالے دیتے ہیں، تو کیا اس کی وجہ سے وہ حق پہ ہو جائیں گے؟ حق پہ نہیں ہو سکتے، حق پہ ہونے کے لیے قرآن وحدیث کے حوالے سے کہی گئی بات صحابہؓ اور سلف صالحینؒ کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ نہیں تو پھر وہ گمراہی کا راستہ کھولنے والی بات ہے۔

دوطرفہ بات

بس اس وقت میں دوطرفہ بات کہہ رہا ہوں، علماء اپنی آواز عوام تک پہنچا نہیں پا رہے ہیں، ان کی بات خواص میں ہے، عوام میں نہیں، مسجد میں خطبہ دیتے ہیں، بہترین خطبہ دیتے ہیں، قرآن وحدیث کو سمجھ کے آتے ہیں، اور بہترین عنوانات پر گفتگو کرتے ہیں، ان کی بات کون سنتا ہے؟ ان کی بات سننے کے لیے مسجد میں وہ لوگ موجود ہوتے ہیں جو الحمدللہ گمراہی سے محفوظ ہیں، علماء کے عقیدت مند ہیں، وہی آ کے بیٹھتے ہیں، وہی سنتے ہیں، اور وہ لوگ جن تک بات پہنچنا چاہیے وہ خطبے میں اخیر اخیر میں آتے ہیں، ادھر ادھر ایک دوسرے سے ہنس بول کے ملاقات کر لیتے ہیں، کھڑے ہو کے خطبہ سنتے ہیں، یا خطبہ بھی ہو جانے کے بعد آتے ہیں، ان کو کہاں سے دین مل رہا ہے؟ تو ان کو یوٹیوب چینلز اور انٹرنیٹ کے ذریعے سے دین مل رہا ہے، بیٹھے بٹھائے خالی گپ شپ اِدھر اُدھر کی سن رہے ہیں، اور اپنے عقیدے خراب کر رہے ہیں، لیکن اس میں علماء کا قصور ہے کہ علماء ان تک پہنچ نہیں پا رہے ہیں۔ اور ایک خاص طبقہ ہے جنہیں باقاعدہ روکا گیا ہے کہ علماء کی بات نہیں سننا ہے، اِس لئے کہ اس وقت کے جو علماء ہیں وہ ''علماء سو'' ہیں، اور چوں کہ بات عام ہوگئی ہے؛ اس لیے کہتا ہوں کہ کئی لوگ ایسے ہیں اپنے کو اہلِ حق کہتے ہیں، دین اور آخرت کی فکر کرتے ہیں، پھر زبان سے یہ بھی بولتے ہیں کہ جو نظام الدین کی بات نہ مانے وہ علمائے سوء ہیں، تو شکیلی بھی ہم کو علمائے سوء کہہ رہے ہیں، تبلیغی بھی ہم کو علمائے سوء کہہ رہے ہیں، مودودی بھی علمائے سوء کہہ رہے ہیں، علی مرزا بھی علمائے سوء کہہ رہا ہے، اور جاوید غامدی بھی علمائے سوء کہہ رہا ہے، اور اس وقت کتنے ہی لوگ میڈیا میں کھڑے ہوئے ہیں، جو دین کے محافظوں کو علمائے سوء کہہ رہے ہیں، اور ان سے ملنے سے روکتے اور منع کرتے ہیں۔

خداوندا یہ تیرے سادہ لوح بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے عیاری بھی عیاری

علماءِ حق سے دردمندانہ اپیل

اس لیے ہم علماء کرام سے کہتے ہیں کہ آپ نے پڑھنے لکھنے میں کتنا وقت لگایا؟ آپ کی ماؤں نے کتنی قربانیاں دیں؟ بچپن میں حفظ کے واسطے مدرسے میں چھوٹی چھوٹی عمروں میں بچوں کو چھوڑ کر اس ماں نے کتنی دفعہ آنسو پونچھے ہوں گے، کتنی دفعہ اس کا دل دکھا ہوگا، اور کتنی دفعہ گھر میں اچھا پکا ہوگا تو اس نے یہ سوچ کر نہیں کھایا ہوگا کہ میرا بچہ مدرسے میں کیا کھا رہا ہوگا؟ کتنی دفعہ اُس کو نیند نہیں آئی ہوگی؟ اتنی قربانیاں کیوں دیں؟ اس لیے کہ میرا بچہ حافظِ قرآن عالمِ دین بنے گا، اور اس امت کے ایمان کی حفاظت کرے گا، ماں کی ان قربانیوں کی

لاج رکھو، اس کے آنسوؤں کی لاج رکھو، باپ نے کتنی محنت کر کے کمایا، اور کتنا پیسہ خرچ کیا، ہم کیا کر رہے ہیں؟ اگر ہم حق کا احقاق نہیں کر سکتے، اگر ہم کسی ملامت گر کی ملامت کی پرواہ اور کسی مخالف کی مخالفت سے ڈرے بغیر اپنی جان کی قیمت پر اللہ کے دین کو امتِ مسلمہ کے سامنے رکھنے کے لئے تیار نہیں ہوتے تو یہ گمراہیاں بڑھتی جائیں گی، اور اگر آج ہمیں یہ کہا جا رہا ہے کہ محلے کے بچے ایسا عقیدہ بنا رہے ہیں، کل کانوں کو سننا پڑے گا کہ ہمارے بچوں نے یہ عقیدہ بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔ بقول حضرت مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ: ''جب وبا عام ہوتی ہے تو ہر کچے پکے مکان میں داخل ہوتی ہے، اور جب بے دینی عام ہوتی ہے تو عوام وخواص سب کو متاثر کر کے رکھ دیتی ہے۔'' ہم یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے گھر میں ایسا کیسا ہوگا؟ ہم تو صحیح بات جانتے ہیں، ہمارے ہاں کیسے ہوگا، ہم کیسے بھٹکیں گے؟ ایسا مت سمجھو، اگر قوم کے بچوں کو نہیں روکیں گے تو کبھی پھر آپ کو بھی اپنے بچوں کو اس گمراہی کی جہنم میں جھونکنے کے لیے تیار ہو جانا پڑے گا۔

کرنے کے کام

اس لئے آگے بڑھو، اور امتِ مسلمہ کی حفاظت کرو؛ تا کہ خود ہماری حفاظت ہو، اور خود ہماری حفاظت امت کی حفاظت میں ہے، بات آگے تک پہنچاؤ، عوام الناس سے رابطہ بناؤ، نوجوان علماء اگر چاہیں تو اپنی بستی کے، خاندان کے نوجوانوں سے اپنا تعلق اور بڑھا سکتے ہیں، ان کے ڈاؤٹس کلیئر کر سکتے ہیں، ان کے ذہن میں جو باتیں غلط بیٹھ گئی ہیں صحیح کر سکتے ہیں، آخر کسی نے غلط سمجھایا ہے تو صحیح بھی تو کوئی سمجھا سکتا ہے، وہ کیسے کام کر رہے ہیں؟ ہم کیوں نہیں کر سکتے؟ بات دراصل یہ ہے کہ اہلِ حق علماء کی ہمتیں پست ہوگئی ہیں، مایوسیوں نے ان کو گھیر لیا ہے، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب ہماری کون سنے گے؟ بتلاؤ! اگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ میں یہ سوچ کر کہ میری کون سنے گا گھر میں بیٹھ جاتے، تو آج آفاقِ عالم کے اندر اسلام کی روشنی ہوتی؟ کوئی سنے نہ سنے، لوگ کہتے بھی تھے اس کی مت سنو، یہ مجنوں پاگل ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس جانب دیکھتے بھی نہ تھے، اور کہتے رہتے تھے: یا ایہا الناس قولوا لاالہ الا اللہ تفلحوا، لوگو! میری دعوت قبول کرو، کامیاب ہو جاؤ گے، چچا کیا کہہ رہا ہے؟ کہنے دو، سارا مکہ کیا کہہ رہا ہے؟ کہنے دو، میں اپنی بات تو پہنچا دوں، پھر مقدر ہے جس کے نصیبہ میں ہدایت ہوگی، ہدایت پائے گا، جس کے نصیبے میں گمراہی ہوگی گمراہ ہوگا، لیکن اگر ہم نے اپنی بات نہیں پہنچائی تو ہم اللہ کو کیا منہ دکھائیں گے؟ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا کیسے کریں گے؟ بہت بڑی ذمہ داری ہے، اِس ذمّے داری کی ادائیگی ہر قیمت پر کرنے کے لئے تیار ہو جائے۔

ملت کے نوجوانوں کی فکری واخلاقی صورتِ حال

اس وقت ملت کے نوجوانوں کا جو حال ہے وہ اخلاقی اعتبار سے بھی نہایت تباہ ہے، اور فکری اعتبار سے بھی نہایت گمراہ ہے، فکری طور پر تو یوں نت نئے چینلوں کے ذریعے سے برباد ہو رہے ہیں، صحابہؓ اور سلفؒ سے بدگمان ہو رہے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اعتراضات دلوں میں پیدا ہو رہے ہیں، قرآن کی صداقت پر سوال کھڑے ہو رہے ہیں، یہ فکر اور اعتقاد کے اعتبار سے ہماری امت کی تباہی ہے، اور نشہ اور زنا کے شیوع وعموم کی وجہ سے اخلاقی اعتبار سے امت برباد ہو رہی ہے۔ ابھی میں ظہر کے بعد فون کھولا، ایک نیوز سامنے آئی، اور اس میں یہ خبر تھی کہ نشے کے لیے پیسہ نہ دینے کی وجہ سے بیٹے نے باپ کو قتل کر دیا، ظاہر ہے کہ نشہ کی ایک دفعہ عادت پڑ جاتی ہے تو اس کی ہوک ایسی اٹھتی ہے، طلب اتنی خطرناک ہوتی ہے کہ وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ میں کس کے اوپر ہاتھ اٹھا رہا ہوں؟ میں کس کی گردن کاٹ رہا ہوں؟ مسلم امہ میں ایسے نشے عام ہوتے جا رہے ہیں، ایسے مہذب اور شریفانہ نشے نکال دیے گئے ہیں کہ دیکھنے کو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، مگر نشے میں ہیں، اِس طرح دھیرے دھیرے ان کی ہلاکت کا سامان کیا جا رہا ہے۔ اس طرح کے حربے امتِ مسلمہ کو برباد کرنے کے لئے دشمنانِ اسلام کے پاس ہمیشہ رہے ہیں، تاریخ پڑھو تو یہ بات معلوم ہوگی کہ ہر دور میں دشمنانِ اسلام نے جس کے جذبۂ دین اور جذبۂ ایمان سے خطرہ محسوس کیا اس کو نشے اور عورت کا عادی بنایا۔

سلطان کے لشکر نے نظر اُٹھا کے بھی نہیں دیکھا

آپ سلطان صلاح الدین ایوبی اور نور الدین زنگی رحمہما اللہ کی تاریخ پڑھ لیجیے، سلطان نے لشکر لے کر ایک لمبی مدت تک بیت المقدس کو آزاد کرانے کے لئے عیسائیوں سے مقابلہ کیا، سلطان گھر سے عہد کر کے نکلا تھا کہ جب تک مسجد اقصیٰ کو آزاد کرا کر اس میں دوگانہ شکرانہ ادا کرلوں اپنے گھر نہیں لوٹوں گا، اس عہد پر کئی برس تک قائم رہا، مسلسل جہاد میں لگا رہا، جس کے بچے اور نوجوانوں پر مشتمل فوج اس کے ساتھ جہاد میں شریک ہیں، عیسائیوں نے اپنی کنواری بیٹیوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ جو مسلمان کو آزمائش میں ڈال دے، اس کو آخرت میں یہ اجر ملے گا، بڑی بڑی فضیلتیں بتا کے انہیں لشکروں میں چھوڑ دیا، صحراؤں کا تصور کرو، جہاں لشکر گزرتے ہیں، نہ بازار نہ دکانیں، اسلامی فوج کو جو کچھ چھوٹا موٹا سدِّ رمق کے لیے، پانی کھانا دے دیا گیا اسی دانہ پانی پہ جی رہے ہیں، اور اللہ کے مقبوضہ گھر کو آزاد کرانے کے لیے جد وجہد میں لگے ہیں، مہینوں مہینوں صحراؤں میں پڑے ہوئے ہیں، لیکن ان نوجوانوں کے جذبۂ ایمانی اور دین پر استقامت کو دیکھو کہ انھوں نے اِن حسین وکنواری لڑکیوں کو نظر اُٹھا کے بھی نہیں دیکھا، اور اُن کے چکر میں آنے کی کوئی ایک ایسی مثال سلطان کی فوج کے اندر نہیں

ہے کہ جس میں عیسائی کامیاب ہوگئے ہوں۔ ورغلانے کے مختلف اسباب اختیار کیے گئے، لیکن انھوں نے کبھی اپنے آپ کو اس میں مبتلا نہیں کیا، دریا میں کشتی چل رہی ہے، اور اس میں سلطان کی نوجوان فوجیں ہیں، کشتی والوں سے امان کی اپیل کرکے اپنے آپ کو مصیبت زدہ ظاہر کرکے بھٹکی ہوئی عفیف و پاک دامن بہن بتا کر اس کشتی میں اپنے کو سوار کرالیا، ان نوجوانوں کی بھوک پیاس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، برسوں سے خاندان اور بیویوں سے دور اِن فوجیوں کو برائی میں مبتلا کرنے کی انھوں نے سازش کی؛ لیکن خدا گواہ ہے کہ وہ نوجوان اُنھیں بادشاہ تک پہنچادیتے تھے، لیکن اُن کو نظر اٹھاکے دیکھتے بھی نہیں تھے، تبھی تو اللہ نے فتح دی، تبھی تو اللہ نے کامیاب کیا، دنیا کی اقوام کو امتِ محمدیہ کے جوانوں سے خطرہ ہے کہ اگر یہ چونک گئے، چمک گئے، سنبھل گئے، اور اگر انھوں نے اسلام کے جھنڈے کو بلند کرنے کا کچھ ارادہ اور عزم کرلیا، تو ان کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس لئے اُن کی بھرپور کوشش ہے کہ امتِ محمدیہ کے جوان بچوں اور بچیوں کو نشہ اور زنا میں مبتلا کردیا جائے، اس کے اسباب وہ کررہے ہیں، اس لئے کہ وہ اس بدترین لت کے اندر مبتلا ہوجائیں گے تو پھر یہ اپنی دنیا کے ہوں گے نہ اپنی آخرت کے، دونوں سے محروم ہوجائیں گے۔

عنادل غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

اتنا وقت نکال کر دور دور سے آپ لوگ یہاں جمع ہوئے ہو، کچھ اپنے لئے بھی کرو، اور کچھ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لئے کرو، یہ تین وقت کا کھانا، سونا کام نہیں آئے گا، ایک وقت کھانا پڑے تو اس کے لیے بھی تیار رہیں؛ لیکن اس امت کے نوجوانوں کو بھٹکنے نہیں دینا ہے، یہ فکری گمراہی کے اندر بھی مبتلا ہورہے ہیں، اور اخلاقی گمراہی کے اندر بھی مبتلا ہورہے ہیں، دنیا ان کی خبروں اور احوال کو دیکھ کر خوش ہورہی ہے، کہ ہم نے ایک قوم کے خطرے سے اپنے کو بچالیا ہے، سب لوگ فاتح ہیں، ہمیں مفتوح بنالیا گیا ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے، آپ کو اللہ سمجھ دے اور آپ اس پیغام کو جو آج کی مجلس میں میں نے آپ کے سامنے رکھا سمجھ سکیں تو سمجھو کہ آپ کی قربانی کی یہ قیمت ہے۔ ع

عنادل غافل نہ بیٹھے آشیانوں میں

اب اپنے اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھنے کا وقت نہیں ہے، اب ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت پر بجلیاں گر رہی ہیں، آفتیں آرہی ہیں، اس سے بچانے کی ہماری ذمہ داری ہے، ورنہ کیا منہ لے کر شفاعت کے لیے اُن کے سامنے کھڑے ہوں گے، یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، کوئی عالم غافل نہ بیٹھے، اپنی اپنی بستیوں میں کام کرو، نوجوانوں سے دوستی بناؤ، انہیں اپنے سے مانوس کرو، ان کے دلوں میں جو ہمارا خوف بیٹھا ہوا ہے اس کو

نکالو،۔۔۔۔۔۔نعوذ باللہ۔۔۔۔۔۔ہم اپنے نبی سے بڑے نہیں ہو گئے، صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں جب پہلی نظر پڑتی تب دل پر رعب طاری ہو جاتا تھا، جب ہم آپ سے مل لیتے تھے تو بالکل شیر وشکر ہو جاتے تھے، اس لئے دوست بناؤ، اگر دوست نہیں بنائیں گے تو وہ اپنے دل کی بات آپ کے سامنے کیسے رکھیں گے، اور کیسے آپ ان کی غلطی اور گمراہی کو دور کر سکیں گے، کتنے آپ کے رشتہ دار ہیں جو طرح طرح کے مسلکوں میں اور مسلکوں سے آگے بڑھ کے مذہبوں میں چلے جا رہے ہیں، لیکن ہمارا عالم ہونا ہمارے رشتہ دار کے لیے کوڑی کے کام کا بھی نہیں، اس کے ایمان کی حفاظت کے لیے ہم کسی کام کے نہیں، کیا فائدہ؟ بھٹکانے والا ہمارے گھر میں سے ہمارے لختِ جگر کو نکال لے جائے، ہم اپنے بھائی بہن کو بچا بھی نہ سکیں، یہ ڈوب مرنے کی بات ہے، بہت کام کرنے کی ضرورت ہے، عوام میں کام کرنے کی ضرورت ہے، عوام کو صراطِ مستقیم دینِ برحق اور دینِ معتدل دکھانے کی ضرورت ہے، عوام ہم سے کٹی ہوئی ہے، ہم عوام سے کٹے ہوئے ہیں، تو پھر جو ہونا ہے وہی ہوگا، شاید ہم اپنی کملی بچا کے دنیا سے لے جائیں؛ لیکن ایک بڑی امت کو گمراہی کے بھنور میں ڈھکیل کے جائیں گے، کیا اللہ نہیں پوچھے گا؟ کیا اللہ کو اس نعمتِ ہدایت کا جواب نہیں دینا ہوگا؟ کیا یہ نعمتِ ہدایت صرف اپنی بخشش کے لیے آئی ہے، یہ نعمتِ ہدایت اللہ کے بندوں کو بچانے اور بخشوانے کے لیے بھی تو ہے، اس نعمتِ ہدایت کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں؟

غیر علماء کی ذمہ داری

جو حضرات یہاں پر غیر علماء ہیں؛ ان کو بھی اللہ نے ہدایت دی، صحیح شعور دیا، برحق علماء سے جوڑا، ان کی صحیح فکر اور مسنون و متوازن عقیدے آپ کو بھی ملے ہیں، اب آپ اس کا پرچار کیوں نہیں کرتے؟ آپ اس کو دوسروں تک کیوں نہیں پہنچا رہے ہیں، چار آدمی آپ کے ذریعے سے صراطِ مستقیم پر آجائیں، کیا یہ ممکن نہیں ہے؟ کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟ آپ کھلاڑی ہیں تو چار کھلاڑی جمع کر لیتے ہیں، آپ پڑھتے پڑھاتے ہیں تو دو چار پڑھنے والوں سے دوستی کر لیتے ہیں، آپ تاجر ہیں تو دو چار تاجر آپ کو مل جاتے ہیں، آپ جو ہیں وہ بنا لیتے ہیں، اپنا حلقہ اور سرکل تیار کر لیتے ہیں، صراطِ مستقیم کا سرکل کیوں نہیں تیار کر سکتے؟ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے لائے ہوئے دین کو صحیح سمجھ کر صحیح طریقے سے چلنے والے ساتھی کیوں نہیں بڑھا سکتے؟ آپ 10 سال سے آرہے ہیں، اکیلے ہی آرہے ہیں، اپنے ایک بھائی کو تیار نہیں کر سکے، اپنے بیٹے کو تیار نہیں کر سکے، اپنے محلے کے ساتھی کو نہیں تیار کر سکے، اپنے ایک کسٹمر کو نہیں تیار کر سکے، کیا کر رہے ہیں؟ آپ سمجھ رہے ہیں کہ بس میں کسی طریقے سے نجات پا جاؤں، علماء کہہ رہے ہیں کہ یہ وقت وہ نہیں ہے، اُس کا وقت آئے گا، ارشاد فرمایا: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ اے ایمان والو! تمہارے ذمے تمہاری فکر ہے،

عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ،تم بس اپنی ہی فکر کرلو، اپنا دامن بچا لو، اپنی ہدایت بچا لو، لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ،اگر کوئی گمراہ ہوتا ہے تو ہونے دو، اگر تم ہدایت پر ہو تو اس کی گمراہی تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتی، یہ قرآن کہہ رہا ہے؛ لیکن علماء اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ وقت وہ نہیں ہے، جس وقت کے لئے یہ آیت مخاطب کررہی ہے، یہ وقت تو دوسروں کو بچانے کا ہے، ابھی لوگ بچیں گے، پھر ایک گمبھیر وقت آئے گا، جب یہ کہا جائے گا، جس کے بارے میں حضور علیہ السلام نے فرمایا: ایک زمانہ آئے گا جب مسلمان کا سب سے عمدہ اور بہترین مال اس کی وہ بکریاں ہوں گی جنہیں وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کی وادیوں میں لے کر چلا جائے گا، تا کہ اس طرح وہ اپنے دین وایمان کو فتنوں سے بچا لے۔(بخاری شریف:۳۳۰۰)اِس لئے کہ آبادی میں فتنے ہیں، وہاں رہیں گے تو کسی نہ کسی فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے۔

ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عنقریب ایسے فتنے برپا ہوں گے جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے بہتر ہوگا، اور کھڑے ہونے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا، جو دور سے اُن کی طرف جھانک کر بھی دیکھے گا تو وہ فتنے ان کو بھی سمیٹ لیں گے۔(بخاری:7081)

الحمدللہ وہ فتنے ابھی نہیں ہیں، وہ جنگ وجدال اور قتال کے فتنے ہوں گے، وہ ایک دوسرے کے ساتھ خانہ جنگی کے فتنے ہوں گے، جب ایک دوسرے کو مارا اور کاٹا جا رہا ہوگا، اس وقت کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ فرمایا، لیکن اِس وقت کے فتنے مقابلہ کرنے کے قابل ہیں، یہ فتنے دبائے جا سکتے ہیں، ان فتنوں سے اپنے نبی کی امت کو بچایا جا سکتا ہے، ان فتنوں سے بچنے کی صلاحیتیں موجود ہیں، ابھی آسان ہے، ابھی اگر ہم صرف اپنی فکر کر رہے ہیں تو اپنے اوپر اور اپنے حبیب کی امت پر ظلم کر رہے ہیں، اس لئے ہمیں دوسروں کی بھی فکر کرنی ہے، دھیرے دھیرے سمجھاؤ، ذہن بناؤ، ان کو اپنے سے مانوس کرو، جو حق ہمارے اکابر علماء اہلِ حق کے پاس ہے، اس سے آشنا اور واقف کراؤ، خود سمجھا سکتے ہوں خود سمجھاؤ، خود نہیں سمجھا سکتے تو علماء تک پہنچانے کی فکر کرو، اور ان سے جوڑو۔

علماء کے فرائضِ منصبی

جب ایسے لوگ علماء کے پاس ملنے کے لیے آئیں تو علماء کو بھی طے کر لینا ہوگا کہ ان کے شکوک شبہات دور کریں گے، اُنھیں مطمئن کریں گے، ان کو سلف صالحین کے سچے عقیدوں سے وابستہ کریں گے، اور علماءِ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کی تفہیم وتشریح کریں گے، یہ سب کب کریں گے؟ جب خود سمجھے ہوئے ہوں گے تب

دوسروں کو سمجھا سکیں گے، اس لئے علماء سے کہتا ہوں کہ اپنے علم کی بھی فکر کریں، ہمارا علم معیاری ہونا چاہیے، ہمارے علم میں جھول نہ ہو، تحقیق کے ساتھ عقائدِ اہلِ سنت والجماعت کو سمجھو، اور عوام کو دلائل سے مطمئن کرو، عوام تقلیداً حق پر ہیں، اور علماء تحقیقاً حق پر ہیں، اس لیے علماء کی تحقیق مکمل ہونی چاہیے، اور علماء کے اندر اتنی جرأت ہونی چاہیئے کہ وہ کہیں کہ جس کو آنا ہے، آئیں، اور سمجھ کے جائیں، ہم سمجھانے کے لیے بیٹھے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس بھی علماء ہیں، دوسرے علماء سے کیوں ملیں؟ تو بھائی علماء تو تمہارے پاس ہیں، لیکن تم نے علماء کو محدود دین کے سانچے میں ڈھال لیا ہے، اور مخصوص کام کے لئے مختص کرلیا ہے، وہ جب اس میں ڈھل گئے ہیں تو وہ بھی اسی مرتبے کے ہیں، وہ بھی علماء کہلانے کے قابل نہیں ہیں، علماء وہ ہیں جو اہل سنت والجماعت اور سلف صالحین کے راستے پر قائم ہیں، دین میں غلو نہیں کرتے، اور دین میں کمی نہیں کرتے۔ پورے دین کے داعی ہیں، بلغ ما انزل الیك من ربك پر عمل پیرا ہیں۔

بس ہدایت بڑی نعمت ہے

الحمدللہ الذی ھدانا لھذا و ما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ، لو لا اللہ ما اھتدینا و لا صلینا و لا صدقنا، ہمارا اللہ ہمیں ہدایت نہ دیتا تو ہم اس ہدایت پر نہیں آسکتے، شکر ہے اللہ کا کہ اس نے ہمیں حق سے حق والوں سے جوڑا، لوگو! شکر کرو، علماء فرماتے ہیں: کہ نعمتِ ایمان اور نعمتِ ہدایت پر شکر خاتمہ بالخیر کا ذریعہ ہے، اسباب میں سے ایک سبب ہے، **لئن شکرتم لازیدنکم**، شکر بڑھتا رہے گا ایمان بڑھتا رہے گا، ایمان بڑھتا رہے گا تو انشاء اللہ اسی پر موت آجائے گی، نہیں تو کب کدھر بھٹک جائے، کچھ نہیں کہہ سکتے، حالات بہت گمبھیر ہیں، اپنے دامن سمیٹ کے رکھو، اور اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔

اللہ مجھے آپ کو سب کو توفیق نصیب فرمائے، اللہ تعالیٰ ہم سب لوگوں کی ہمارے گھر والوں کی ہماری نسلوں کی ہمارے دوستوں کی ہمارے پڑوسیوں کی ہر گمراہی سے حفاظت فرمائے، اور ہمیں بھی آخری سانس تک ہدایت پر اہلِ سنت والجماعت کے عقیدوں پر جمے رہنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس دور کے ہنگاموں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین۔

گوشۂ سیرت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ سے ہجرت

از: مرتب*

ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جس وقت میں شعور کی عمر کو پہنچی تو اپنے ماں باپ کو دین حق سے آراستہ پایا اور اس وقت کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دن میں دو دفعہ صبح اور شام تشریف لایا کرتے تھے، جب مسلمانوں پر آزمائشیں بڑھ گئیں، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے، راستے میں جب برک الغماد پر پہنچے تو وہاں ابن الدَّغنہ کی ملاقات ہوگئی، وہ قبیلے کا سردار تھا، اس نے پوچھا: ابوبکر! کہاں جارہے ہو؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے میں چاہتا ہوں کہ کہیں اور جا کر اپنے رب کی عبادت کروں، ابن الدَّغنہ نے کہا: ”تم جیسا آدمی مکہ سے نہ نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے، تم بے سہاروں کے لئے کماتے ہو، صلہ رحمی کرتے ہو، لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہو، مہمان نوازی کرتے ہو، مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو۔ میں تمہیں پناہ دیتا ہوں چلو واپس چلو، اور اپنے شہر میں اپنے رب کی عبادت کرو۔ ابن الدغنہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لے کر واپس مکہ چلا آیا اور اشرافِ قریش میں لے گیا ان سے کہا کہ ابوبکر جیسا شخص نہ نکل سکتا ہے نہ نکالا جا سکتا ہے، کیا تم ایسے شخص کو نکالتے ہو جو بے سہاروں کے لیے کمائی کرتا ہے، صلہ رحمی کرتا ہے، لوگوں کا بوجھ اُٹھاتا ہے، مہمان نوازی کرتا ہے، مصیبت زدوں کے کام آتا ہے!! قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو قبول کر لیا اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امان دے دی اور ابن الدغنہ سے کہا، ابوبکر سے کہو کہ اپنے گھر میں عبادت کریں اپنے گھر میں نماز پڑھیں، جو چاہے پڑھتے رہیں اور ہمیں اس سے تکلیف نہ دیں اور نہ علی الاعلان عبادت کریں، اس لیے کہ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں وہ ہمارے بیوی بچوں کو آزمائش میں نہ ڈال دیں، ابن الدغنہ نے کہا: ٹھیک ہے، چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے گھر پر ہی عبادت، نماز تلاوت کرنے لگے، پھر کچھ عرصے کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھر کے صحن میں ایک مسجد بنالی اور باہر نکل آئے اور وہاں نماز پڑھنے لگے اور قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگے پھر کفار و مشرکین کی عورتیں اور بچے

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

سب وہاں جمع ہونے لگے اور تعجب و حیرت سے ان کو دیکھنے لگے اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت رونے والے آدمی تھے جس وقت وہ قرآن پاک پڑھتے تو اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں رکھ سکتے تھے۔ اشرافِ قریش کو دوبارہ وہی ڈر لگ گیا۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو بُلا بھیجا اور کہا کہ ہم نے ابوبکرؓ کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے رب کی عبادت اپنے گھر میں کریں، انہوں نے سنا نہیں اور گھر کے سامنے مسجد بنالی اور علانیہ نماز پڑھنے لگے اور تلاوت کرنے لگے جب کہ ہمیں اپنی بیوی بچوں کے بارے میں ڈر ہے کہ کہیں وہ فتنے میں نہ پڑ جائیں، اس لئے تم اُن سے کہو کہ کہ اپنے رب کی عبادت کرنا ہے تو اپنے گھر میں کریں ورنہ تمہاری امان واپس کر دیں گے، اس لیے کہ نہ ہم تمہاری امان نہ توڑنا چاہتے ہیں نہ ابوبکرؓ کو علانیہ عبادت کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔

صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ابن الدغنہ ابوبکرؓ کے پاس آیا اور کہا تم جانتے ہو کہ معاہدہ کس بات پر ہوا تھا؟ یا تو تم اس پر قائم رہو یا پھر میری امان مجھے واپس کر دو، اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ عرب میں یہ بات مشہور ہو کہ میں نے جس کو امان دی تھی وہ میں نے توڑ دی ہے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: میں تمہاری امان واپس کرتا ہوں اور اللہ عزوجل کی حفظ و امان کو پسند کرتا ہوں۔

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ ہی میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا: مجھے تمہاری ہجرت گاہ دکھادی گئی ہے وہ کھجوروں والی سنگلاخ زمین ہے، (یعنی مدینہ منورہ) چنانچہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو اس کی خبر دی تو جو شخص مدینہ ہجرت کر سکتا تھا وہ مدینہ چلا گیا اور جو لوگ حبشہ ہجرت کر چکے تھے وہ مدینہ لوٹ آئے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی مدینہ ہجرت کرنے کی تیاری شروع کر دی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ٹھیرو! وسکتا ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: فداک ابی وامی یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! کیا آپ کو بھی اس کی امید ہے؟ تو فرمایا کہ ہاں! چنانچہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفر کی خاطر رُک گئے اور دو اونٹنیوں کو چار ماہ کھلا پلا کر تیار کیا۔

صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ہم لوگ اپنے گھر پر ہی تھے، ایک دفعہ دوپہر کے وقت کسی نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چادر اوڑھے ہوئے تشریف لا رہے ہیں اور یہ ایسا وقت تھا جس وقت عام طور پر آپ نہیں آیا کرتے تھے، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ضرور کوئی بات پیش آئی ہوگی، ورنہ آپ اس وقت تشریف نہیں لاتے۔ صدیقہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت لے کر اندر تشریف لائے، فرمایا: تنہائی میں بات کرنی ہے، صدیق

اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: فداک ابی و امی یا رسول اللہ! یہاں سب آپ کے گھر والے ہی ہیں؛ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے ہجرت کی اجازت دے دی گئی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے عرض کیا: فداک ابی وامی یارسول اللہ! اے اللہ کے رسول! کیا مجھے بھی رفاقت کی اجازت ہے؟ فرمایا: ہاں! ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول! ان دو اونٹیوں میں سے ایک آپ لے لیجئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیمت کے بدلے لوں گا۔

صدیقہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے ان دونوں کے لیے سامانِ سفر تیار کیا۔ ہم نے ایک چمڑے کی تھیلی میں توشۂ سفر تیار کر کے رکھا، (میری بہن) اسماء بنت ابی بکرؓ نے اپنے ڈوپٹے کا ایک حصہ پھاڑا اور تھیلی کا منہ بند کیا اسی وجہ سے ان کا لقب ''ذات النطاقتین'' ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبرؓ جبل ثور کے غار میں پہونچ گئے اور دونوں تین دن تک وہاں چھپے رہے، عبداللہ ابن ابی بکرؓ ان کے پاس رات گزارتے ___ وہ سمجھ دار و بااعتماد نوجوان تھے ___ اور سحر کے وقت وہاں سے نکلتے اور صبح مکہ میں رہتے گویا کہ رات مکہ ہی میں گزاری ہو، کفار مکہ کی کوئی چال معلوم ہوتی تو رات کو ان دونوں حضرات تک وہ خبر پہنچا دیتے۔

صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام بکریاں چَراتے ہوئے رات کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد وہاں آتے اور انہیں دودھ والی بکری اور عشائیہ دے دیدتے۔ وہ دونوں دودھ اور عشائیہ تناول کر کے بکری ان کے حوالے کر دیتے، یہاں تک کہ رات کے تاریکی میں صبح صادق سے کچھ پہلے عامر بن فہیرہ بکریاں ہانکتے ہوئے وہاں سے واپس چلے جاتے، تین دن اور رات انہوں نے اسی طرح کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بنوالدیل کے ایک ماہر راہ بَر کو اجرت پر لیا باوجود یہ کہ وہ شخص عاص ابن وائل کے خاندان کا حلیف تھا، اور کفار قریش کے مذہب پر تھا، انہوں نے اس پر اطمینان کیا اور اپنی سواریاں اس کے حوالے کیں اور غار ثور تک پہنچانے کا حکم دیا، تیسرے دن صبح کو وہ سواریاں لے کر پہنچ گیا، عامر بن فہیرا، وہ رہنما اِن دونوں حضرات کو ساحل کے کنارے سے لے کر روانہ ہو گئے۔

(دلائل النبوۃ: ۲/ ۳۴۴،۳۴۵)

گوشۂ سیرت

کفار کی زبانی عظمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتراف

از: مولانا محمد مجیب الرحمن تمیم قاسمی*

دبستانِ عالم میں جب بہارِ ایزدی نے اپنی دل آویز کیاری بچھائی، اور صبحِ ازل سے منتظر سیارگانِ فلک نے اپنی روشنیوں کو ایک نقطۂ وحدت پر جمع کیا، تو تاریخِ ہستی کا وہ نرالا دن نمودار ہوا جس کا انتظار کروڑوں شب و روز نے بے چینی کے ساتھ کیا تھا۔ بزمِ کائنات کے افق پر وہ آفتابِ سعادت طلوع ہوا جس نے ظلمت کدۂ عالم کو نورِ ہدایت سے منور کر دیا۔ وہ ذاتِ مقدس جسے ربِّ ذوالجلال نے "وَرَفَعۡنَا لَكَ ذِكۡرَكَ" کے تمغۂ جاں فشاں سے نوازا، جلوہ افروز ہوئی۔ بے جان پتھروں نے آپ کی تصدیق کی، بے زبان درختوں نے شہادت دی، حیوانات نے زبانِ حال سے مدح سرائی کی، اور آفتاب و ماہتاب نے اطاعت وفرمانبرداری کی روشنی بکھیر دی۔

وہ آگئے تو آگیا دنیا میں انقلاب
اجڑا ہوا چمن تھا گلستاں کر گئے

ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایسی گھٹا تھی جو بنجر زمینوں پر چھا گئی، ایک ایسا مینارۂ نور تھی جو تا قیامت راہِ حق کے مسافروں کو روشنی عطا کرتا رہے گا۔ چودہ صدیاں بیت گئیں مگر یہ چراغِ رسالت اپنی تمام تر تابانیوں کے ساتھ آج بھی روشن ہے اور کاروانِ انسانیت کو راہ ہدایت فراہم کر رہا ہے۔

وہ دانائے سُبل، ختم الرُّسل، مولائے کُلؐ
جس نے غُبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا

یہی وجہ ہے کہ سیرت نگاروں نے اپنے قلم کی جولانیوں اور اہلِ سخن نے اپنے نغمہ سرائیوں کے ذریعے شانِ محمدی اور عظمتِ احمدی کو ہر زبان میں بیان کیا ہے۔

مگر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ صرف اہلِ ایمان ہی نہیں بلکہ غیر مسلم مؤرخین، دانشوروں، ادیبوں اور شعرا نے بھی اپنے کلام اور قلم کے ذریعہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت و عظمت کا اعتراف کیا۔ گویا کفر کی آنکھوں سے

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

بھی حق کی جھلک دکھائی دی اور ان کی زبانیں بے ساختہ اقرار کرنے پر مجبور ہو گئیں ۔

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوہ دانش فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ ونجف

غیر مسلم مؤرخین کی شہادتیں

● انگلستان کے مشہور مصنف جان ڈیون لکھتے ہیں: "اس میں کوئی شک نہیں کہ تمام مصنفین اور فاتحین میں سے کسی کی سوانح عمری بھی اتنی مفصل اور سچی نہیں جتنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے۔

● برطانوی مصنف ولیم اے ڈی وِٹ نے جب انسانیت پر اثر انداز ہونے والی سو عظیم شخصیات کا تذکرہ کیا تو سب سے پہلے نام محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لکھا۔

● پروفیسر اسنوک ہرج روجی کا کہنا ہے: "دنیا میں جتنے انسان پیدا ہوئے ان میں سب سے بڑے اور سب سے زیادہ سچے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔"

● مشہور فلسفی تھامس کارلائل کہتے ہیں: "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صداقت اور وفا شعاری کا مجسمہ تھے۔ ان کے قول و فعل میں ایسا توازن اور سچائی ہے جس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔"

● مسٹر سکاٹ لکھتے ہیں: "اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رسولِ برحق نہ تھے تو پھر اب تک کوئی رسول دنیا میں آیا ہی نہیں۔"

● جارج سیل اپنی تحقیق کے بعد اعتراف کرتے ہیں: "مجھے کوئی ایسا ثبوت نہیں ملا جس سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر شبہ کیا جا سکے۔"

● ڈاکٹر شیلے کا کہنا ہے: "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزشتہ اور موجودہ سب انسانوں میں سب سے کامل اور سب سے افضل ہیں، اور آئندہ ان جیسا کوئی پیدا نہیں ہو سکتا۔"

عظیم مفکر برنارڈ شا کا بیان ہے: "اگر روتی سسکتی انسانیت سکون چاہتی ہے تو اسے آج بھی وہی اصول اپنانے ہوں گے جو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے پیش کئے تھے۔"

● یہاں تک کہ ولیم میور، جو اپنے تعصب کے باوجود یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوا کہ: "محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف اپنے دور کے بلکہ آنے والے تمام زمانوں کے عظیم ترین رہنما تھے۔"

● مہاتما گاندھی نے اپنی تحقیق کے بعد کہا: "میں اس عظیم ترین ہستی کے بارے میں جاننا چاہتا تھا جس کے دلوں پر آج بھی حکومت ہے۔ میں یقین سے آگے بڑھ چکا ہوں کہ اسلام تلوار کے زور پر نہیں بلکہ اس کی

پاکیزگی، ایثار اور قربانی کی قوت سے پھیلا ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ذمہ داری بہترین انداز میں ادا کی اور انہیں ایسے جانثار ساتھی ملے جو خوف وخطر کی پرواہ کئے بغیر مشنِ اسلام کو آگے بڑھاتے رہے۔"

اہلِ کلیسا اور یورپی مصنفین کے علاوہ برصغیر پاک وہند کے غیر مسلم اہلِ قلم نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں نثر ونظم کے دریا بہائے ہیں۔ مسیحی، سکھ اور ہندو ادباء وشعراء نے آپ کی عظمت پر مضامین اور کتابیں تحریر کیں۔ بالخصوص ہندو شعراء نے اردو میں نعتیہ کلام لکھا، میلاد اور معراج جیسے واقعات کو منظوم انداز میں بیان کیا، اور بعض نے تو پوری سیرت کو شعری قالب میں ڈھالنے کی ہمت کی۔

● ایک سکھ شاعر کہتا ہے:

نام لیوا ہیں محمدؐ کے پرستار تو ہیں
یعنی مجبور پئے احمد مختار تو ہیں
عشق ہو جائے کسی سے، کوئی چارہ تو نہیں
صرف مسلم کا محمدؐ پہ اجارہ تو نہیں

یہی نہیں بلکہ عربی، اردو، فارسی، ہندی، انگریزی، تمل اور مارواڑی تک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدحت سرائی کی گئی۔ ہزاروں غیر مسلم قلم کاروں نے ــــ باوجود اپنے عقائد کے اختلاف کے ــــ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا موضوع بنایا۔ گویا ان کی زبانِ حال نے یہ کہا: یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ صداقت وعظمتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسی آفتابِ جاویداں ہے جس کی تابانی کو نہ تو دشمنی کی گرد مٹا سکتی ہے اور نہ تعصب کی آندھی بجھا سکتی ہے۔ وہ روشنی جو مکہ کی وادیوں سے پھوٹی تھی آج بھی اقصائے عالم میں دلوں کو منور کر رہی ہے، اور قیامت تک یہی روشنی انسانیت کی رہنمائی کرتی رہے گی۔

نبی کے خلقِ عظیم تر نے سبھی کو اپنا بنا کے چھوڑا
دلوں سے نقشِ دوئی مٹا کر بشر کو حق سے ملا کے چھوڑا
جو بھولے بھٹکے ہوئے مسافر تھے ان کو راستہ دکھا کے چھوڑا
وہ لوگ جن میں درندہ پن تھا انہی کو رہبر بنا کے چھوڑا

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

حضرت فاطمہؓ بنت اسود

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

نام ونسب:

یہ عظیم وجلیل صحابیہ ہیں، ان کا تعلق قبیلہ بنومخزوم سے ہے، جو قبیلہ قریش کا ایک نہایت معزز اور قابل قدر خاندان تھا، ان کا نام ونسب اس طرح ہے، فاطمہ بنت اسود بن عبد الأسد بن ہلال بن عبد اللہ بن عمر بن مخزوم۔(الطبقات الکبری لابن سعد، فاطمہ بنت الأسود، ۸/۲۰۶، دار الکتب العلمیۃ، بیروت) یہی صحابیہ فاطمہ بنت الاسود أم عمر بنت سفیان کے نام سے بھی جانی جاتی ہیں، اسود ان کے دادا ہیں، ان کے بڑے چچا ابو سلامہ ہیں۔

والدہ کی طرف سے ان کا نسب اس طرح ہے: فاطمۃ بنت عبد العزی بن أبی قیس، آل عامر بن لؤی سے تعلق رکھتی ہیں، جس کی وجہ سے حوطیب بن عبد العزی ان کے خالو ہوتے ہیں، فاطمہ کے دو بھائی بھی تھے، ہبار اور عبد اللہ انہوں نے بھی سابقین اولین کے ساتھ قبول اسلام کیا تھا۔

قبول اسلام

انہوں نے اسلام قبول کیا، اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت سے مشرف ہوئیں۔ نہایت پکی اور سچی مسلمان تھی، چوری کا واقعہ در پیش ہوا، توبہ کی، اللہ تعالیٰ نے اُن کی توبہ قبول کی، پھر اسلام وشریعت کے مطابق تمام زندگی گذاری، بڑی مجاہدہ خاتون تھیں۔

چوری کا واقعہ

فتح مکہ کے موقع پر ان سے چوری کی لغزش سرزد ہوگئی (بعض روایتوں میں آتا ہے کہ انہوں نے کسی کا زیور چوری کرلیا اور بعض روایتوں میں ان کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاشانہ اقدس سے ایک چادر چرانے کا ذکر ہے، ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ رات کو نکلیں، مسافروں کا ایک خیمہ تھا، وہاں سے ان کے بیگ لے لیا،

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

لیکن انہوں نے ان کو گرفتار کر کے قید کر لیا) اس طرح وہ پکڑی گئیں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی گئیں۔

بنومخزوم کے لوگ گھبرائے، پھر چوری کی سزا کی تخفیف کے سلسلے میں سفارشی تلاش کرنے لگے، کئی لوگوں نے سفارش کی، لیکن پھر وہ ''حب النبی'' حضرت اسامہ بن زید کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس خاتون کی سفارش کریں، حضرت اسامہ نے ان کی بات مان لی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض گذار ہوئے وہ اس خاتون سے رعایت فرمائیں، ان کی بات سن کر سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روئے انور پر غصہ کے آثار نمایاں ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمانے لگے:

کیا تم مجھ سے اللہ تعالیٰ کی قائم کی ہوئی حدود کے بارے میں (رعایت کی) گفتگو کرتے ہو۔ ''**أتشفع فی حدمن حدو د الله**'' (البدایۃ والنہایۃ، الیہود والنصاری لایصبغون فی الفوا، ۲/۲۱۷، داراحیاء التراث العربی بیروت)

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ گفتگو سنی تو لرز اٹھے اور عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ماں باپ آپ پر قربان، میرے لئے مغفرت کی دعا فرمائیے۔ ''**قال أسامة استغفر لی یا رسول الله، فلما کان العشی قام رسول الله خطیبا ثم قال: أما بعد.**

(السنن الکبری للنسائی، حدیث:۷۳۴۹)

پھر اس دن رات میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی، فرمایا: اما بعد: پہلے لوگ اس وجہ سے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف معزز اور محترم شخص چور کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب ان میں کوئی کمزور، معمولی آدمی چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے، اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت محمد کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد بھی چوری کرتی تو میں اس کا ہاتھ کاٹ دیتا۔ ''**أیها الناس، إنما أهلک الذین من قبلکم أنهم کانوا إذا سرق فیهم الشریف ترکوه، وإذا سرق فیهم الضعیف، أقاموا علیه الحد، وأیم الله، لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها**''

(صحیح البخاری: باب حدیث الغار، حدیث:۳۴۷۵)

حضرت اسید کے گھر

بطور سزا ان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، ان کے ہاتھ سے خون کے قطرے ٹپک رہے تھے، اس کے بعد فاطمہ بنی عبد الاشہل آئیں، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے ان کو پہچان لیا، انہیں اپنے گھر بلایا، ان کے لئے کھانا

بنایا، جب حضرت اسید واپس آئے، وہ اسی خاندان کے بڑے شخص تھے، وہ مسجد سے تشریف لائے، اپنی بیوی سے گھر میں داخل ہونے سے پہلے ہی حضرت فاطمہؓ کے معاملہ سے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! وہ میرے پاس ہی ہیں، حضرت اسید پھر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بغرض مشورہ حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''رحمتها رحمك الله ''یعنی تم نے ان کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کیا، آپ کے ساتھ اللہ رحم وکرم کے معاملہ کرے، یعنی تم ان کے ساتھ تطلف اور نرمی کے ساتھ پیش آنا۔

پھر فاطمہ اپنے والد کے گھر گئیں تو والد نے کہا کہ تمہاری ماں کے میکہ چلی جاؤ، تم ان سے مشابہت رکھتی ہو، پھر اس کے بعد ان کے خالہ حویطب بن عبد العزیٰ نے ان کی کفالت کی۔ ''**فلما رجعت إلى أبيها، قال: أذهبوا بها إلى بني عبد العزى، إنها أشبهتهم، فزعموا أن حويطب بن عبد العزىٰ قبضها إليه وهو خالها**'' (الطبقات الکبری لابن سعد، فاطمۃ بنت الاسود، ۸/ ۲۰۷، دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت فاطمہ بنت اسودؓ کی توبہ

اس طرح فاطمہ بنت اسود مخزومیہؓ پر حد جاری کی گئی اور ان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا، اس واقعہ کے بعد ان کی زندگی میں انقلاب آ گیا اور انہوں نے توبہ کو نہایت پرہیزگاری اور استقامت کے ساتھ نبھایا، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس کے بعد وہ کبھی کبھی آیا کرتی تھیں اور میں ان کی حاجت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا کرتی تھی۔

''**فحسنت توبتها بعد ذلك، قالت عائشة رضي الله عنها: وكانت تأتيني بعد ذلك فأرفع حاجتها إلى رسول الله** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' (السنن النسائی،، دیث: ۴۹۰۳)

وفات

ان کا انتقال مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔

اصلاحی مضامین

میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہمارے اعمال اور شرعی احکام کے تناظر میں

از: مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی*

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اہل ایمان کی فطرت میں داخل ہے، نیز ایک مؤمن کامل کو اگر سب سے زیادہ قرب ومحبت کسی انسان سے ہوگی تو وہ آپ علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ ہے، آپ علیہ السلام کا اپنی امت سے تعلق خود انسان کے اپنی ذات سے تعلق سے بھی زیادہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ (الاحزاب:٦) آپ علیہ السلام کی محبت میں جب تک کمال پیدا نہ ہو تب تک ایمان ناقص رہتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحبَّ إليه من ولده ووالده والناس أجمعين۔ وفي رواية لمسلم: حتى أكون أحبَّ إليه من أهله وماله والناس أجمعين. ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، پس ثابت ہوگیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا مؤمن کے لیے جزوِ ایمان ہے، اللہ پاک نے قدرۃً ہر مومن کے دل میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو سمو دیا ہے، اس لیے ہر زمانے میں ایک انسان کتنا ہی گنہ گار کیوں نہ ہو اور عملی اعتبار سے چاہے وہ جتنا بھی ناقص ہو لیکن حبّ رسول ؐ سے اس کا سینا معمور ہوتا ہے، اب غور طلب امر یہ ہے کہ حبّ رسول کا حقیقی مصداق کیا ہے، اور محبتِ رسول کے کیا تقاضے ہیں؟ تو جاننا چاہیے کہ محبت کا لازمی حق اپنے محبوب کے ساتھ وفا اور اس کے احکام واوامر کی پابجائی ہے، ہم ایک آیت سے اس بات کا اندازہ بہ خوبی لگا سکتے ہیں، سورہ آل عمران کی آیت شریفہ ہے: قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَيَغۡفِرۡ لَـكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝۳۱ (آل عمران)

ترجمہ: اے حبیب! فرما دو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ، اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اگر چہ اس آیت کا تعلق ''حبِ الٰہی'' سے ہے لیکن غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ اللہ نے حبِ الٰہی کے مدعیوں کو بھی اطاعتِ رسول کا حکم دیا، تو گویا حبِ الٰہی ہو یا حبِ نبوی اسی وقت معتبر ہے جب کہ ہم رسولِ خدا ﷺ کے احکامات کی تعمیل کریں۔

محمد کی محبت دینِ حق کی شرطِ اول ہے
اس میں ہو گر خامی تو پھر سب کچھ نامکمل ہے

ہم عمومی طور پر اپنے معاشرے میں دیکھتے ہیں کہ جب ربیع الاول کا مبارک مہینہ شروع ہوتا ہے تو مسلم سوسائٹی کا ایک الگ ہی ماحول ہوتا ہے، عاشقانِ مصطفیٰ اظہارِ محبت میں انوکھے طور طریقے اپناتے ہیں اور ان کو نبی ﷺ سے محبت کا عملی خیال کرتے ہیں؛ اس بات میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ ایک محبِ صادق کے لیے اپنے محبوب کی آمد ایک بیش قیمتی احساس ہے، لیکن اظہارِ محبت میں ایسا طور اپنانا جو محبوب کے مزاج کے خلاف ہو کسی بھی لحاظ سے دانشمندی نہیں ہے، بلکہ اگر ہم محبت میں واقعی سچے ہیں تو ہمارا طرزِ عمل ایسا ہونا چاہیے کہ انگ انگ سے ہماری محبت نمایاں ہوتی نظر آئے اور ہمارا ہر معاملہ محبوب کے دل میں ہماری وقعت کو بڑھانے والا ہو، تھوڑا ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں کہ بارہ ربیع الاول کے موقع پر ہمارے مسلمان بھائی کیا کچھ انجام دیتے ہیں اور وہ شریعت محمدیہ کی روشنی میں کس حد تک درست ہے۔

میں نے بہ چشم خود دیکھا کہ نوجوان سڑکوں پر جھنڈیاں لیے شور کر رہے ہیں اور جگہ جگہ بالقصد بیچ سڑک پر گاڑیاں روک کر نعرہ بازی کر رہے ہیں، حالاں کہ ادھر دوسری طرف رسول پاک ﷺ نے لوگوں کو بڑی اہمیت کے ساتھ راستے کے حقوق سے آگاہ کیا اور حضرات صحابہؓ کو بڑی تاکید کے ساتھ فرمایا کہا اولاً تو راستوں پر مت بیٹھو، جب صحابہؓ نے مجبوری بیان کی تو حکم دیا کہ پھر راستے کا حق ادا کرنا تمہاری ذمہ داری ہے، چناچہ حدیث دیکھیں: يقول النبي ﷺ لبعض الصحابة لما رآهم يجلسون في الطُّرقات، قال: إياكم والجلوس في الطرقات، فقالوا: يارسول الله، مالنا بُدٌّ من مجالسنا، فقال: أما إذا أبيتم فأعطوا الطريق حقَّه، قالوا: وما حقّ الطريق يا رسول الله؟ قال: غَضُّ البصر، وكفُّ الأذى، وردُّ السلام، والأمر بالمعروف، والنهي عن المنكر (بخاری ومسلم) ترجمہ: رسول پاک ﷺ نے اپنے بعض صحابہؓ کو جب سڑکوں پر بیٹھا ہوا دیکھا تو فرمایا: راستوں میں بیٹھنے سے بچو، صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے (یعنی ہم وہیں بیٹھ کر اپنی گفتگو کرتے ہیں) تو آپ نے فرمایا تو پھر راستے کا حق ادا کرو، صحابہؓ نے پوچھا راستے کا حق کیا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: نگاہوں کی حفاظت کرنا، تکلیف دہ

چیز کو ہٹانا اور سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا۔

نیز ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

الایمان بضع وسبعون شعبة أو بضع وستون شعبة فأفضلها قول لا إله إلا الله وأدناها إماطة الأذى عن الطريق (بخاری ومسلم)

ایمان کے بہت سے شعبے ہیں ان میں پہلا کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ اور آخری راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، نیز حضرت عائشہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: "ولا صَخَّابًا في الأسواق" (ترمذی) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بازاروں میں شور کرنے والے نہیں تھے۔

اب ہم دیکھیں کہ ایک تو نبی علیہ السلام کی احادیث میں راستے کے تعلق سے کیا حقوق وارد ہیں، اور آپ کے اخلاق واطوار کا تقاضا کیا ہے اور ادھر ہمارا اس طرح راستوں کو بلاک کرنا، چیخنا چلانا کس حد تک درست ہے۔

دوسری بات یہ دیکھنے میں آئی کہ بعضے لوگ الیکٹرک کھمبوں پر زور کے والیوم کے ساتھ نعتیں نظمیں لگا کر چھوڑ دیتے ہیں، تو اس سے بھی کئی ساروں کو تکلیف ہوتی ہے، نعتیں پڑھنا اور سننا یہ بہت بہترین عمل ہے لیکن کیا ہم بازاروں اور محلے کی گلی کوچوں میں بڑی آواز کے ساتھ نظمیں لگا کر راہ گیروں اور گھروں میں موجود لوگوں کو تکلیف دے سکتے ہیں؟ آپ علیہ السلام کی ساری زندگی دوسروں کی ایذا رسانی سے پاک تھی، آپ کو تو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا گیا پھر ہم اسی رحمت والے آقا کی آمد کے عنوان سے دوسروں کو زحمت دیں تو کیا یہ عمل نبی کو پسند آئے گا، حدیثِ مبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’تم لوگوں کو (اپنے) شر سے محفوظ رکھو، یہ ایک صدقہ ہے جو تم اپنے نفس پر کرو گے۔‘‘ (بخاری) ایک دوسری روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنھم سے سوال کیا: کیا تم جانتے ہو کہ مسلمان کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زیادہ جانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا: ’’مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے (دوسرے) مسلمان محفوظ رہیں۔‘‘ (متفق علیہ)

ایک تیسری چیز جو دیکھنے میں آئی وہ یہ کہ بعض جگہ میوزک والی نظمیں جن کا سننا درست نہیں ہے چل رہی ہیں اور بعضے مقامات پر باقاعدہ ڈی جے وغیرہ لگا کر نوجوان ہاتھوں میں کپڑے، جھنڈیاں اور سیٹیاں لے کر، اسی طرح بعضے لوگ ڈھول باجے بجا بجا کر تماشہ کرتے نظر آئے، اور بہت سارے تو ناچ بھی رہے تھے اُولاً تو نہ اسلام میوزک کی اجازت دیتا ہے نہ ناچنے ڈانس کرنے کی، بلکہ ان دونوں کو گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے، کیوں کہ ان چیزوں سے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کو ڈرایا ہے، ان کو نفاق اور فتنوں کی آمد کا پیش خیمہ قرار دیا ہے، چنانچہ اس

تعلق سے احادیث ملاحظہ فرمائیے! قال علیه الصلاة و السلام: الغناءُ یُنبت النفاق في القلب کما یُنبت الماءُ البقل۔ (درمنثور) ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی سبزہ اگاتا ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس امت میں بھی زمین میں دھنسنے، صورتیں مسخ ہونے اور پتھروں کی بارش کے واقعات ہوں گے، اس پر ایک مسلمان مرد نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! یہ کب ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب گانے والی عورتیں اور باجوں کا عام رواج ہوگا اور کثرت سے شرابیں پی جائیں گی۔

خود کتاب اللہ شریف سے اس کی قباحت واضح ہے، اللہ پاک کا ارشاد ہے: وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡتَرِىۡ لَهۡوَ الۡحَدِيۡثِ لِيُضِلَّ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ وَّيَتَّخِذَهَا هُزُوًا اُولٰٓئِكَ لَهُمۡ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ (سورۃ لقمان) ترجمہ: اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ان باتوں کے خریدار بنتے ہیں جو اللہ سے غافل کرنے والی ہیں، تاکہ اللہ کی یاد سے بے سمجھے گم راہ کریں اور اس کی ہنسی اڑائیں، ایسے لوگوں کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا جاتا تو آپ قسم کھا کر فرماتے تھے کہ "لہو الحدیث" سے مراد گانا ہے، یہی تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت جابر رضی اللہ عنہم، حضرت عکرمہ، سعید بن جبیر، مجاہد، مکحول، حسن بصری اور عمرو بن شعیب رحمہم اللہ جیسے جلیل القدر حضرات سے منقول ہے۔

ایک چیز یہ بھی بہ کثرت سوشل میڈیا وغیرہ پر بہت دیکھنے میں آتی ہے کہ لوگ میلاد النبی کے موقع سے آپ علیہ السلام کے نام پر کیک کٹ کرتے ہیں، اولاً تو یہ کیک کٹنگ اور برتھ ڈے سیلبریٹ کرنا اسلامی تہذیب کا حصہ نہیں ہے، اسلام اس طرح کی لہویات وفضول رسموں سے منع کرتا ہے، نیز یہ تہذیبِ مغرب کی پیروی ہے، یہ ساری چیزیں ہمارے معاشرے میں انہیں سے در آئی ہیں، جب کہ غیروں کی اتباع کے تعلق سے خود سرکار دو عالم ﷺ نے بہ وضاحت فرمایا: من تشبَّهَ بقومٍ فهوَ منهم (ابو داود و احمد) کہ جو شخص جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ انہیں میں کا ایک فرد ہے، اب بتائیں کہ جس نبی کی آمد کا مقصد تمام مذاہب وتہذیبوں کو ختم کرنا ہے اسی نبی کی نسبت سے اس طرح کے خرافات انجام دینا آپ علیہ السلام کے لیے کس قدر کوفت کا باعث ہوگا؟

پھر مزید ستم یہ کہ ان کیکوں پر اسمِ محمد یا کلمہ طیبہ لکھا ہوتا ہے، اسی طرح کعبۃ اللہ اور گنبد خضرا کی ہیئت پر کیک بنوائے جاتے ہیں، پھر ان کو چھری سے کاٹا جاتا ہے، اللہ کی پناہ! یہ کس قدر آپ کے نام کی بے توقیری ہے،

اگر کوئی غیر مسلم یہ کام کرے تو ہم پورے ملک میں طوفان برپا کردیتے ہیں تو پھر ہمارا ایسا کرنا کیوں کر درست ہوسکتا ہے۔

میلاد کے جلوس کے دوران ایک عمل یہ بھی نظر آیا کہ لوگ پروں والے گھوڑے،شیر،اونٹ وغیرہ جیسے جانوروں کی مورتیاں لیے گھوم رہے تھے،پتہ نہیں ان کا کیا مقصد ہے اور وہ اس کے ذریعہ کس جانب اشارہ کررہے ہیں؟ پر اس طرح کے جاندار اشیاء کی مورتیاں بنانے کا کوئی وجہ جواز نہیں بالخصوص نبی علیہ السلام کی میلاد کی مناسبت سے بنانا تو اور بھی زیادہ تعجب خیز ہے،اور یہ رسول پاک ﷺ کی تعلیمات کے بھی مخالف ہے،آپ ﷺ نے جانداروں کی تصویروں سے تک منع فرمایا تو مورتیوں کی اجازت کیسے ہوگی ،آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: کہ قیامت کے روز سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگا۔(متفق علیہ) ایک اور حدیث میں آیا ہے: جس گھر میں کتا یا تصویریں ہوں وہاں رحمت کے فرشتے داخل نہیں ہوتے۔(صحیح البخاری)

اب ان روایات وتوعیدات کو مدنظر رکھ کر غور کریں کہ عشق نبی کے عنوان سے جو خرافات ہمارے اسلامی معاشرے میں رائج ہیں اور میلاد کے موقع پر جو حرکتیں ہمارے مسلمان بھائی انجام دیتے ہیں وہ کس قدر واہیات قسم کے ہیں،ان میں کا ہر کام رسول خدا خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ کی تعلیمات سے بالکل متصادم ہے جیسا کہ مذکورہ سطور میں ہم نے تقابل کیا،اوراس طرح کے اعمال سے کبھی بھی اغیار کے سامنے اسلام کا مثبت پہلو سامنے نہیں آسکتا،اور اسلام کی حقانیت اور مذاہب عالم کے مقابلے اس کی ندرت وانفرادیت کبھی آشکارا نہیں ہوسکتی ،کیوں کہ یہ سارے کام وہی ہیں جو اغیار اپنے تہواروں کے موقع پر کرتے چلے آرہے ہیں،اب ہم مسلمان ہوکر بھی یہی سب کام کریں گے تو کیسے لوگوں کو پتہ چلے گا کہ اسلام ایک الگ اور انوکھا مذہب ہے،تمام مذاہب کے بالمقابل ایک عظیم شان کا حامل ہے،پھر جب ان کو کسی بھی طرح کا انوکھا پن نہیں دکھے گا تو وہ اسلام کی طرف مائل ہونے کے بہ جائے قومی ومذہبی تعصب کی بنا پر اور زیادہ متنفر ہوں گے،اور زیادہ اسلام سے دور ہوتے جائیں گے،افسوس کہ آج ہم عشق رسول کے نام پر ایسے کام انجام دے رہے ہیں جو بعثت رسول کے مقاصد کے آگے سدراہ ہیں۔

الغرض ایک ایسی مجلس جہاں شورشرابہ ہو،میوزک وناچ گانے ہوں،دوسروں کی ایذارسانی ہو،جانوروں کی مورتیاں ہو گویا بہ یک وقت کئی سارے احکام شرعیہ کی خلاف ورزی کی جارہی ہو تو وہاں اللہ کی رحمت تو کیا،لعنت برستی ہوگی؛افسوس کہ ہم رحمت والے آقا کی آمد والے مہینے میں خدا کی لعنت کے سزاوار بن رہے ہیں۔اللہم اھدنا الصراط المستقیم

گوشۂ آزادی

ہندوستان کی آزادی۔تصور اسلام وسعی مسلمین کا ثمرہ!

از: مولانا عبدالقوی ذکی*

اسلام میں آزادی کی اہمیت: جس وقت انسانیت پر بادشاہت اور ملکویت کا غلبہ تھا، روم وفارس، قیصر وکسریٰ کے پنجہ استبداد سے انسانی معاشرہ کراہ رہا تھا، خاندانی وپشتنی حکومتوں کے تسلسل سے انسانیت دم توڑ رہی تھی عرب وعجم، چین وہند یہی طرز حکومت کی زد میں تھے، ایسے وقت میں اسلام نے انسانیت کو مساوی حقوق کا انقلابی سبق سکھایا، نہ صرف یہ آزادی کو انسان کا پیدائشی حق بتلا کر نسلی، علاقائی، تمدنی ولسانی اور جغرافیائی حد بندیوں کو ختم کر دیا بلکہ توحید اور وحدت کا عقیدہ سکھا کر انسانی معاشرہ کو غلامی سے آزاد کر دیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے، تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو تم سب آدم سے پیدا کئے گئے اور آدم کی تخلیق مٹی سے کی گئی ہے تم میں اللہ کے نزدیک شریف و باعزت سب سے زیادہ متقی ہے کسی عربی کو کسی عجمی پر تقویٰ کے علاوہ کسی اور وجہ سے کوئی فضیلت نہیں ہے۔

آزادی کا لغوی معنی: اہل عرب کے یہاں حریت سے مراد ہر قابل فخر چیز ہے اور افعال وکردار میں ہر اچھے اور عمدہ کام پر اس کا اطلاق ہوتا ہے اور انسانی معاشرہ میں جو احرار ا(آزاد) ہوتا تھا انہیں سب سے افضل سمجھا جاتا تھا۔

آزادی کا اصطلاحی مفہوم: آزادی کا کوئی متعین مفہوم نہیں ہے ہر ایک نے اس کی اپنے اپنے نظریات کے مطابق تشریح کی ہے۔

اسلام میں آزادی کی خوبصورتی: بلا جبر واکراہ خالق واحد کی اطاعت کی دعوت، ظلم کے بجائے عدل کو فروغ اور بلا امتیاز شاہ وگدا کے لئے مساوی حقوق، ایذائے انسانی سے گریز حتی کہ حالت جنگ میں بھی پابند اصول، اور معاملات کی پختگی یہ ہے کہ تین دن تک انتظار وعدۂ وفائی پر قائم اور پیشانی پر بل تک نہیں یہ وہ تصورات ہیں جو اسلام کی نظریۂ آزادی پر دلالت کرتے ہیں۔

مغرب ویورپ میں آزادی کا مفہوم: ہر قید وبند اور ہر ضابطہ سے آزادی اور ہر طرح کی نگرانی سے دور

* مدرسہ اسلامیہ دار ارقمؓ بالا پور، حیدر آباد

رہنا ان کے یہاں آزادی ہے، آپ جو چاہیں کھائیں، پئیں، پہنیں، اور جیسا چاہے جس سے چاہے تعلق رکھیں اور جو عقیدہ ونظریہ رکھنا چاہیں رکھیں؛ بل کہ اپنی فطرت وجنس بھی تبدیل کرنا چاہیں تو کرلیں۔ یہ ان کا اپنا نظریۂ آزادی ہے۔

حقوق انسانی کا مفہوم آزادی: ۱۷۹۵ء کے اعلامیہ میں یہ بات لکھی گئی ہے کہ آزادی یہ ہے کہ ہر فرد کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ جو چاہے کرے بشرطیہ کہ اس کے عمل سے دوسروں کو ایذا رسانی نہ ہو، مولانا آزادؒ رقم طراز ہیں کہ اس اعلامیہ میں انہوں نے لکھا تھا حقوق طبعی یہ ہیں؛ حریت، تملک، امن، مقاومت۔

(الحریت فی الاسلام ص ر ۶۲)

آزادی قرآن مجید کی روشنی میں: اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ③ (سورۃ الدھر) ہم نے اس کو راہ سمجھا دی چاہے شکر کرنے والا بنے یا کفر کرنے والا۔ لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ㉑ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ㉒ (سورۃ الغاشیہ) آپ یاددہانی کردیں، آپ بس یاددہانی کردینے والے ہیں، آپ کو ان پر زبردستی کرنے کے لئے مسلط نہیں کیا گیا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ؕ (الحجرات: ۱۳) اے لوگو! ہم نے تم کو مرد عورت سے پیدا کیا اور تمھیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں اس لئے تقسیم کیا ہے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ معزز وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔

ان آیتوں کا خلاصہ اور لب لباب یہ ہے کہ دین اسلام نے کسی پر زور زبردستی نہیں کی، نہ شمشیر وسناں کو تبلیغ اسلام کا ذریعہ بنایا جیسا کہ نامعقول لوگوں کا دعویٰ ہے، بلکہ اللہ کا صاف کلام ہے ہم نے خیر وشر کے دونوں راستے واضح کردئے ہیں، اپنی سمجھ اور عاقبت کے انجام خیر کے لئے بہتر راستہ اپنانے کا اختیار آپ کو ہے، اسی طرح اسلام قبول کرنے میں دباؤ نہیں ڈالا گیا جیسا کہ موجودہ صورت حال میں دیگر مذاہب میں بعض ناہنجار عناصر اپنے مذہب کو قبول کروانے کے لئے اس ترکیب کو اپناتے ہیں، قرآن کا دعویٰ ہے کہ تم سب برابر ہو، کسی کو کسی پر کوئی برتری نہیں، آجاؤ ایک اللہ کی عبادت کرو، بطور تذکیر ونصیحت بندوں کو اعلان دعوت دیتا ہے۔ یہی اس کا امتیاز اور خصوصیت ہے جو آزادی کی ایک صورت ہے۔

آزادی حدیث کی روشنی میں: بعینہ یہی حُسن فرامین نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ملے گا مثال کے طور پر حجۃ الوداع کے موقع پر خطبہ میں ارشاد فرمایا الا ان دماء کم واموالکم حرمت علیکم کحرمۃ یومکم ھذا فی

شہر کم هذا فی بلد کم هذا الخ ۔آ گاہ ہو جاؤ کہ جان و مال کی حرمت اسی طرح قائم کی جاتی ہے جس طرح کہ آج کے دن کی، اس ماہ حج کی اور اس شہر مکہ کی حرمت ہے۔ الکرم التقویٰ بزرگی اور بڑائی صرف تقویٰ وحسن عمل میں ہے۔ لیس لاحد علی احد فضل الا بدین ۔ایک کو دوسرے پر فضیلت دین اور تقوی کے سوا اور کوئی حق ترجیح نہیں ہے۔ الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب تمام انسان آدم اولادہیں اور آدم مٹی سے بنے ہیں پس سب آپس میں برابر ہیں۔ کتاب وسنت کی ان ہدایات کی عملاً تشریح خلفاء راشدین کی سیرت میں ملے گی کہ انہوں نے دین اسلام کی سیاسی واقتصادی تمدنی ومعاشرتی نوعیت کو دنیا کے سامنے کیسے آشکارا کیا اور بتلایا کہ اس سے خوبصورت مذہب دنیا میں کوئی دوسرا نہیں اور اللہ کے یہاں اب کوئی اور مذہب قابل قبول نہیں ۔اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران:۱۹) وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ ۔(ایضاً:۸۵)

آزادی اور خلفاء راشدین کا اسوہ: ایک موقع پر حضرت عمرؓ اور حضرت ابی ابن کعبؓ کے بیچ کسی معاملہ میں نزاع ہوا، حضرت زید بن ثابتؓ کے یہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرؓ جب ان کے پاس گئے تو انہوں نے تعظیم کیلئے جگہ خالی کردی، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ابن ثابت! یہ پہلی ناانصافی ہے جو تم نے اس مقدمے میں کی، یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔

دوسرا واقعہ یہ کہ جبلہ ابن ایہم ایک عیسائی شہزادہ ہے، عہد فاروقی میں اسلام قبول کیا تھا طواف کعبہ کے دوران چادر کے ایک گوشہ پر ایک شخص کا پاؤں پڑ گیا اس نے ایک تھپڑ رسید کیا جواب میں اس شخص نے بھی تھپڑ مارا، جبلہ نے غصہ میں دربارِ فاروقی میں شکایت کی آپؓ نے فرمایا تم نے جیسا کیا ویسی ہی سزا پائی ہے، شہزادہ نے کہا ہمارے یہاں اگر ہوتے تو ایسی حرکت کرنے پر قتل کردیا جاتا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا: اسلام نے شریف وذلیل اور پست وبلند کو برابر کردیا، حضرت انسؓ راوی ہیں ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے پاس تھے ایک قبطی فریاد لے کر آیا کہ مصر کے گورنر حضرت عمرو ابن العاصؓ نے گھوڑوں کی دوڑ لگائی جس میں میرا گھوڑا دوڑ میں کامیاب ہوا اور لوگوں نے بھی اسے دیکھا مگر محمد ابن عمروؓ ابن العاص نے کہا یہ میرا گھوڑا ہے اور قسم کھا کر مجھے کوڑوں سے مارا اور کہا جانتے نہیں ہو کہ میں ابن الاکرمین (شریف زادہ) ہوں اس پر حضرت عمرؓ نے اس سے کہا اچھا بیٹھو اور حضرت عمرو ابن العاصؓ کو خط لکھا اور کہا یہ میرا خط پڑھ کر آپ اور آپ کے بیٹے محمد حاضر ہو جائیں، وہ دونوں باپ بیٹے حاضر ہو گئے؛ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے اس قبطی کو بلا کر حکم دیا کہ درہ لے کر ابن الاکرمین کی خبر لو اس قبطی نے اچھی طریقہ سے خبر لی، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا عمرو ابن العاصؓ

پر بھی گھماؤ، کیوں کہ یہ انھیں کے سہارے تمھیں مارا ہے، قبطی نے کہا نہیں میں مارنے والے کو مار دیا ہوں۔

آزادی اور مسلم حکمرانوں کا طرزِ عمل: عہد عباسیہ میں جب مدینہ کے قلیوں نے خلیفہ منصور پر دار القضاء میں دعویٰ کیا تو خلیفہ کو تنہا ان قلیوں کے دوش بدوش قاضی کے سامنے آنا پڑا؛ اسی طرح مامون کے دربار میں اس کے بیٹے عباس پر ایک بڑھیا نے شکایت کی جس پر شہزادہ عباس کو برسرِ دربار بڑھیا کے سامنے کھڑے ہوکر اپنے مقدمہ کی سماعت کرنی پڑی۔

حضرت عمرؓ کا آزادی سے متعلق قول: خلیفہ دوم حضرت عمرؓ نے فرمایا: متی استعبدتم الناس و قد ولدتھم امھاتھم تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنالیا جبکہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا تھا۔

(اجتماعی معاملات ج/۱ ص/ ۵۶۳)

حضرت علیؓ کی آزادی سے متعلق وصیت: خلیفہ رابع حضرت علیؓ نے وصیت کی تھی و لا تکن عبد غیرک و قد جعلک اللہ حراً تم کسی اور کے بندے نہ ہوجاؤ، اللہ نے تمھیں آزاد پیدا کیا ہے۔

(اجتماعی معاملات ج/۱ ص/ ۵۶۳)

حضرت ربعی ابن عامرؓ کا رستم کے آگے حق کہنا: جنگ قادسیہ میں جب اسلامی لشکر دعوت اسلام لے کر ایران کا بادشاہ یزدگرد کے پاس پہونچا تو اس نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا اور رستم کو فوراً مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا حکم دیا، جنگ سے پہلے مذاکرات ہوئے، رستم نے دربار میں حضرت مغیرہ ابن شعبہؓ سے گفتگو کی پھر حضرت ربعی ابن عامرؓ سے بات ہوئی رستم نے پوچھا تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟ حضرت ربعی ابن عامرؓ نے دوٹوک انداز میں برجستہ فرمایا: اللہ ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادۃ العباد الی عبادۃ اللہ و من ضیق الدنیا الی سعتھا و من جور الادیان الی عدل الاسلام۔ ہمیں اللہ نے بھیجا ہے تاکہ وہ جن کو چاہے بندوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لے آئے، دنیا کی تنگی سے نکال کر خوشحالی میں اور دیگر مذاہب کے جور وستم سے نکال کر اسلامی عدل کے دائرے میں لے آئے۔

(آئینہ تاریخ امت ج/۱ ص/ ۶۲۲)

غلام کو آزاد کرانے کی فضیلت: یہی آزادی کی اہمیت کو بتلاتے ہوئے کسی غلام کو آزاد کرنے پر کتنا ثواب اللہ نے مقرر فرمایا ہے، ذرا ہم اِن احادیث سے اندازہ لگائیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے متعلق آتا ہے کہ ۴۰/غلام کو انہوں نے آزاد کیا، اسی طریقہ سے حضرت عثمان غنیؓ کا بھی معمول یہی تھا چنانچہ اس فضیلت کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا کہ جس نے کسی مومن گردن (مومن غلام) کو

آزاد کیا اللہ (آزاد کئے جانے والے) کے ہر عضو کے بدلے اس (آزاد کرنے والے) کے ہر عضو کو آگ سے آزاد فرمائے گا۔ (مسلم ۱۵۰۹)

ایک روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حضرت ابونجیح رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ جس مسلمان نے کسی مسلمان آدمی کو آزاد کیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ہر ہڈی کیلئے اس آزاد کئے ہوئے کی ہڈی کو بچاؤ کا ذریعہ بنا کر جہنم سے آزاد کردے گا۔ (ابوداؤد: ۳۹۶۵)

آزادی سے متعلق تصور اسلام کا یہ پیغام پڑھ کر مسلمانوں نے ہندستان میں جنگ آزادی کا بگل بجایا تھا اور لہو کے آخری قطرے تک انگریزوں سے نبرد آزما رہے اور انہیں ملک بدر کرنے کے بعد ہی راحت کی سانس لی ورنہ علماء نے یہاں تک کہہ دیا تھا جہاں انگریز کی حکومت ہے وہاں اپنی موت بھی گوارا نہیں، اسی راہ عزیمت میں آج بھی محمد علی جوہرؒ کی قبر فلسطین میں مسجد اقصیٰ کے پڑوس میں موجود ہے۔

انگریزوں کی آمد کا پس منظر اور مہیب عزائم: پندرہویں اور سولہویں صدی میں ہندوستان صنعت وحرفت میں اپنی مثال آپ تھا، دنیا کا کوئی ملک اس کا ہم پلہ نہیں تھا اس زمانہ میں زرمبادلہ سونے کی شکل میں ادا کئے جاتے تھے اس لحاظ سے ہر طرف سے سونا ہندوستان پہونچ رہا تھا جس کی بنا ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا، چنانچہ ۱۴۹۸ء میں پرتگالی جہازراں واسکوڈی گاما ایک عرب ملاح کی مدد سے براہ مالندی کالی کٹ ہندوستان پہونچا، ۱۵۰۱ء میں بیجاپور کے عادل شاہی سلطنت سے گوا کے علاقہ پر قبضہ کر کے پہلی یورپین اقوام کی نوآبادی بسائی، ۱۵۸۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کی اور ۱۶۰۱ء تک حسب روایت تجارت کرتے رہے، ۱۶۰۱ء سے ۱۷۰۱ء تک بتدریج خوب نفع کمایا اور مختلف علاقوں میں اپنے تجارتی مراکز قائم کئے، ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کا انتقال ہونے کے بعد کوئی لائق حکمران ہندوستان کو نہیں ملا، جس کے نتیجہ میں ملک کی سیاسی وحدت کا شیرازہ بکھر گیا اور فوجی قوت بیرونی دشمنوں سے لڑنے کے بجائے خانہ جنگی میں ملوث ہوگئی۔

انگریزوں کی ملک پر قبضہ کی کوششیں: مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد ملک چھوٹی چھوٹی خودمختار ریاستوں میں تبدیل ہونے کے بعد مختلف علاقائی حکمرانوں نے انگریزوں سے دفاعی کارروائیاں شروع کیں، میسور کے شیر ٹیپو سلطان نے ۱۷۶۷ء پہلی جنگ لڑی اور انگریزوں کی اچھی خبر لی، اسی طرح یہ جنگوں کا سلسلہ ۱۷۹۹ء تک مختلف ریاستوں میں جاری رہا تا آنکہ ٹیپو سلطان کو شہید کرنے کے بعد انگریزوں نے کہا آج سے ہندوستان ہمارا ہے، اس کے بعد ملک پر انگریزوں نے قبضہ کرلیا، ۱۸۰۰ء تا ۱۸۵۰ء انگریزوں نے خوب کھل کر راج کیا بالآخر ۱۸۵۷ء میں عوامی بغاوتیں شروع ہوئیں۔

۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء داستانِ سرفروشاں: یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کی جنگ آزادی کی شروعات سب سے پہلے مسلمانوں نے کی، ظاہر سی بات ہے کہ ملک انہیں سے چھینا گیا تھا، اس لئے کہا جاتا ہے کہ ۱۷۶۷ء سے ۱۹۰۰ء تک لگ بھگ ۱۳۳ر سال کم وبیش آزادی کی لڑائی بلا شرکت غیر صرف ملت اسلامیہ تنہا لڑی، اس کے بعد انیسویں صدی کے اوائل میں مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ اب انگریزوں سے جنگ میں بحیثیت ہندوستانی ہونے کے دوسری قوموں کو بھی شریک کیا جانا چاہیے، اس دوران علماء کرام اور مسلمانوں نے جو جوانمردی کے جوہر دکھائے اس کا اعتراف خود انگریزوں نے کیا، چناں چہ مسٹر ٹامسن وائسرائے برطانیہ نے اپنی تحقیق کے بعد کہا کہ جب تک مسلمان قوم میں قرآن اور علماء کرام موجود رہیں گے اس وقت تک ان کے اندر سے جہاد کی آگ ختم نہیں کر سکتے، علماء نے تحریکیں شروع کیں جیسے ریشمی رومال تحریک، خلافت کمیٹی، جمعیۃ علماء، مجلس احرار اسی طرح دین اسلام کی حفاظت اور آزادی وطن کی تحریک کو مضبوط کرنے کی غرض سے دارالعلوم دیوبند کا قیام ۱۸۶۶ء میں عمل آیا اور پھر یہیں سے وہ آزادی کے سورما پیدا ہوئے بطور خاص حضرت حاجی امداداللہؒ حضرت قاسم نانوتویؒ رشید احمد گنگوہیؒ شیخ الہند محمود الحسنؒ، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولا حسین احمد مدنیؒ اور دیگر قابل قدر علماء اپنی جان ہتھیلی میں رکھ کر اپنی اولاد کو وصیت کر کے بلا خوف لومۃ لائم ملک کو انگریزوں سے آزادی دلوائی۔

خلاصہ کلام:

اس وقت ہماری اولیں ذمہ داری اور وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم بحیثیت مسلمان اپنی قوم کو یہ سمجھائیں کہ آزادی ہمارا نہ صرف دستوری حق ہے بلکہ پیدائشی حق ہے جو اللہ نے ہمیں دیا ہے، کتاب وسنت اور خلفاء راشدین کے طرز عمل سے پتہ چلتا ہے، موجودہ صورتِ حال میں برسر اقتدار حکومت کی پالیسی (سی اے اے اور این آر سی) کے ذریعہ یہ حق آزادی کو ختم کرنے کا منصوبہ بنایا جا رہا ہے، اسی تناظر میں یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ نئی تعلیمی پالیسی کے ذریعہ تاریخ کو بدلا جا رہا ہے جو انگریزوں کے وظیفہ خوار اور چاپلوس رہے انہیں ملک کی آزادی کا ہیرو بنا کر پیش کیا جا رہا ہے، ملک سے محبت، اس کی ترقی وخوش حالی سے مسلمان خوش ہوتا ہے اس کی حفاظت کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے اور رہے گا یہ پیغام ہم کو اسلام نے سکھایا ہے اور ساتھ ہی ہم دنیا کو بھی یہ پیام دیں کہ اسلام سراسر خیر وبرکت کا سرچشمہ ہے؛ اسی کے سائے میں عافیت اور نجات ہے۔

اللہ ہمیں ہدایت واستقامت نصیب فرمائے۔ آمین

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجدِدُ الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے "منتخب ملفوظات" (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی کچھ توضیح وتشریح کے ساتھ تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کو قارئینِ اشرف الجرائد وعامۂ مسلمین کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔
ازمرتب

(۴۲) سالک کو تشویش میں مبتلا نہیں رہنا چاہیے:

ارشاد فرمایا: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بہت مختصر بولتے تھے، اور زیادہ تشویش میں مبتلا نہیں رہتے تھے؛ کیونکہ تشویش کو سالکین کے لیے بہت مضر سمجھا گیا ہے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے تھے: سالک کو تشویش میں نہیں رہنا چاہیے، اس سے ترقی نہیں ہوتی، اطمینان اور تفویض کا معاملہ ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ کے حوالے ہو کر کام کرنا چاہیے، باقی جو تدبیریں ہیں کرو، "حسنِ تدبیر" و "حکمتِ عملی" یہ تو مومن کی صفات میں سے ہے؛ لیکن نتائج اللہ کے حوالے کرو، نتائج اپنے ذمے لینے سے تشویش ہوتی ہے، وہ اللہ کے حوالے کرو تو تشویش بھی ختم ہوجائے گی، اسی کا نام تفویض ہے، حضرت گنگوہیؒ پر انگریزوں نے مقدمہ قائم کیا تھا، شاملی کے جہاد کے نتیجے میں جیل بھیج دیے گئے تھے، حضرت کے حالات میں لکھا ہوا ہے کہ ہر ہفتہ آپ کو کورٹ میں مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، پیشی میں جج آپ کو آزمانے کے لئے یا دل آزاری کے لئے یہ کہتا تھا کہ ہم آپ کو سزائے موت دینے والے ہیں، تو حضرت یہ بات سن کر جواب میں فرماتے تھے: کیا حرج ہے؟ بس اتنا ہی فرماتے تھے، اس سے زیادہ بات نہیں کرتے تھے، کئی مرتبہ ایسا ہوا، اس کے بعد اس نے ان کو رہا کردینا ہی مناسب سمجھا، رہا کردیا گیا۔ یہ حضرات تو موت سے ڈرنے والے لوگ نہیں تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو سرکاری اعزاز کے طور پر "شمس العلماء" کا لقب ملنے والا تھا ایک ناقد ومخالف شخص رکاوٹ بنا، اور اس کی

اطلاع حضرت کو ہوئی تو یہاں بھی حضرت نے یہی کہا کہ میں شکریہ ادا کرتا ہوں ڈپٹی صاحب کا کہ مجھے اس بلا سے انہوں نے نجات دلا دی، کیوں کہ سرکاری اعزازات وخطابات بھی خطرے سے خالی نہیں ہوتے۔

(۴۳) خلوتِ عرفیہ کے مقابلے میں خدمتِ خلق میں مشغولیت بہتر ہے۔

ارشادفرمایا:۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں نے حضرت گنگوہیؒ کولکھا کہ میرا جی یوں چاہتا ہے کہ سب سے علیحدہ ہو کر ایک گوشہ میں بیٹھ جاؤں، حضرتؒ کی اسی تمنا کو ان کے خاص خادم حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں اس طرح ظاہر کیا ہے۔

تمنا ہے کہ بس اب کوئی جگہ ایسی کہیں ہوتی
اکیلے بیٹھے ہوتے یاد ان کی دل نشیں ہوتی

یہ تو تمنا تھی، مگر یہ حضرات اپنے نفس کو اچھے تقاضوں پر بھی بڑوں کے مشوروں سے عمل کرتے تھے کہ مبادا کہیں دھوکہ تو نہیں دے رہا ہے، چناں چہ اس تمنا پر عمل کی اجازت کے لیے آپ نے حضرت گنگوہیؒ کو لکھا، وہ آپ کے شیخ تو نہیں تھے لیکن اُنھیں آپ اپنے شیخ کی طرح مانتے تھے۔حضرت گنگوہیؒ نے جواب میں تحریر فرمایا: کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا نہیں کیا ہے، اس سے شہرت ہوتی ہے، اس لیے اپنے کام میں لگے رہو، جو لوگ عوام کی خدمت میں اور عام دینی خدمات میں لگے رہتے ہیں۔ وہ زیادہ مشہور نہیں ہوتے، لوگ ان کو عوام میں ہی شمار کرتے ہیں، حالاں کہ ہوتا وہ خواص میں سے ہے، وہ بہت بڑے مرتبے پر ہو تب بھی عوام ہی میں شمار ہوتا ہے، اور اگر کوئی خاص خاص صوفیانہ طریقے اختیار کرتا ہے تو اس کی شہرت بہت ہوتی ہے، اور شہرت بڑا فتنہ ہے، بڑی آزمائش ہے، شہرت سے بچنے کے لیے ہمارے اکابر ایسے طرزِ عمل کو پسند نہیں کرتے تھے، پھر یہ کوئی سنت بھی نہیں ہے، سنت تو یہی ہے کہ خدمتِ خلق میں لگا رہے، اللہ کے بندوں کو نفع پہنچائے، یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی سنت ہے، اسی لیے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: جو شخص عوام سے اختلاط نہیں رکھتا اور ان لوگوں سے جو کچھ جانے انجانے تکلیفیں پہنچتی رہتی ہیں (کبھی ان کے مرتبے سے ناواقف ہونے کی وجہ سے کبھی محض رجوعِ عام اور انتشار کی وجہ سے) ان کو برداشت نہیں کرتا اُس مومن سے وہ مومن اچھا ہے جو لوگوں میں رہتا ہے، اور لوگوں کی تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے، اور ان کو سیدھا راستہ دکھاتا ہے، ان پر محنت کرتا ہے، اللہ کے دین کی خدمت کرتا ہے، المؤمن الذی یخالط الناس و یصبر علی آذاھم اعظم اجراً من المومن الذی لا یخالط الناس و لا یصبر علی أذاھم (ابن ماجہ:4032) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: وہ مومن جو لوگوں سے میل جول رکھتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر کرتا ہے تو اس کا ثواب اُس مومن سے زیادہ ہے جو

لوگوں سے الگ تھلگ رہتا ہے اور اُن کی ایذا رسانی پر صبر نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ لوگوں سے میل جول رکھے اور ان سے جو کچھ پیش آئے اس پر صبر کرتا رہے؛ یہ صبر خود ایک مجاہدہ اور ریاضت ہے، جس سے اس کی ترقی ہوتی رہتی ہے، اور باطنی کمالات حاصل ہوتے رہتے ہیں۔ بہ ہر حال حضرت گنگوہیؒ نے آپ کو خلوت و گوشہ نشینی کی اجازت نہیں دی، کہا کہ ہمارے بزرگوں نے ایسا نہیں کیا، اس سے شہرت ہوتی ہے، اس لیے اپنے کام میں لگے رہنا چاہیے۔

ہماری ریاست کے بزرگ عالمِ دین پیر طریقت حضرت مولانا شاہ جمال الرحمن صاحب مدظلہ العالی کے بارے میں معلوم ہوا کہ آپ کے بعض چاہنے والوں کی خواہش تھی کہ آپ کے لئے کہیں مسجد خانقاہ وغیرہ بنا دی جائے، پرانے مشائخ کی طرح حضرت وہیں رہیں، اور لوگ استفادہ کرتے رہیں، تو حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم نے بھی اس کے جواب میں یہی فرمایا کہ بھائی! تھانہ بھون کی خانقاہ میں کیسے نظامِ تربیت تھا؟ ہر دوئی میں کیسا تھا؟ جلال آباد میں کیسا تھا؟ بس دین کی خدمت کرتے ہوئے یہ کام بھی مشترک طور پر کیا جاتا تھا، ایسا ہی مناسب ہے، اس لیے کہ اگر کوئی خاص علامتی شکل اختیار کر لی جائے تو شہرت کا خطرہ ہے، چاہے ارادہ بھی نہ ہو، یہ آزمائش ہے، لوگوں کی اذیتوں کے مقابلے میں بڑی آزمائش ہے۔

ہمارے حضرت سید شاہ معظم شہید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: دعوۃ الحق میں تو تصحیح کے ذریعے سلوک طے کرا دیا جاتا ہے، نام تصحیح کا ہوتا ہے، لیکن قرآن صحیح پڑھنا سیکھو، اذان صحیح کرو، امامت وغیرہ، سارا غرور اسی میں نکل جاتا ہے، آدمی صحیح سلامت واپس ہو جاتا ہے، لیکن بہرحال جو اہل اللہ خلوت نشین گزرے ہیں ان لوگوں سے بھی کوئی بدگمانی نہیں رکھنا چاہیے، یہ غلبۂ حال ہے، بہتر تو یہی ہوتا ہے کہ اگر اللہ پاک کسی کو اس کی صلاحیت عطا فرمائے کہ وہ روحانیت میں بھی مقام رکھتا ہو، اور علم و عرفان میں بھی تو اس کو دونوں میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کر کے امتِ مسلمہ کو نفع پہچانا چاہیے۔

افاداتِ اکابر

ارشاد السالکین

''خانقاہِ سعیدیہ'' میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹/ بجے تا شب ۹/ بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲/ بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہٗ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہٗ استاذ ادارۂ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

والدین کے آپسی اختلافات میں اولاد کو کیا کرنا چاہیے؟

سوال (۶۱): میرے والد صاحب میری والدہ کا بالکل ہی خیال نہیں کرتے؛ جبکہ والدہ بیمار رہتی ہے، رات کو گھر آ کر والدہ کو گالیاں دیتے ہیں، میری والدہ تنہائی میں بیٹھ کر روتی رہتی ہے، میرے دل سے باپ کے لیے بد دعا نکلتی ہے، تو کیا میں اس کی وجہ سے گنہگار رہوں گا؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: بے شک آپ گنہگار رہوں گے، باپ اتنا بڑا محسن ہے کہ اسی کی وجہ سے آپ وجود میں آئے ہو، اس لیے والد کو گالی دینا، بد دعا کرنا بہت بڑا گناہ ہے اور محسن کشی ہے، باقی والد صاحب کا جو عمل آپ کی والدہ کے ساتھ ہے وہ بالکل غلط اور ظلم ہے اس کے لئے وہ اللہ کے ہاں جواب دہ ہیں، آپ بیٹے ہیں تو بحیثیت بیٹے ہونے کے آپ کے لئے جو کرنا ضروری ہے وہی کرنا ہے، یعنی باپ کے سارے حقوق ادا کرنا آپ کی ذمہ داری ہے، کافر باپ کے حقوق ادا کرنے کی تک تاکید کی گئی ہے، اس لیے حقوق میں کوتاہی مت کرو، اور ایسے حالات کے ختم ہو جانے کے واسطے اللہ تعالیٰ سے جی لگا کے دعاؤں کا بھی اہتمام کرو۔ انشاء اللہ نفع ہوگا۔

مکتب میں بڑی عمر کی بچیوں کو پڑھانا کیسا ہے؟

سوال (۶۲): میں مکتب میں بڑی بچیوں کو پڑھاتا ہوں؛ وجہ اس کی یہ ہے کہ اس کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہورہا ہے، کیا میرا یہ عمل درست ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: اگر دوسرا انتظام نہیں ہوتا ہے تب بھی آپ کو پڑھانا جائز نہیں ہے، اور اگر کوئی صحیح شکل نہیں بن پا رہی ہے تو بس اس کی صورت یہ ہے کہ وہ پردے میں رہیں، اور پردے کے پیچھے آپ کی کوئی محرم بھی وہاں موجود رہے؛ بہتر ہے کہ بیوی موجود رہے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو پھر پڑھانا جائز نہیں ہے؛ اس لیے کہ خواتین کے ساتھ خلوت شرعاً جائز نہیں ہے۔

بڑے بننے کا شوق نخوت و کبر کا نتیجہ ہوتا ہے

سوال (۶۳): کچھ اعمال کے اعتبار سے بندے کو اپنی حالت اچھی محسوس ہوتی ہے تو شیخ بننے کا جنون سوار ہو جاتا ہے، اللہ سے دعا بھی کرتا ہوں کہ مجاز بیعت بن جاؤں، کیا اس طرح تمنا کرنا اور دعا کرنا درست ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: بالکل درست نہیں ہے، کیا یہ کوئی نعمت ہے؟ جس کی تمنا اور دعا کی جائے؛ یہ تو سر کے اوپر ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ اس ذمہ داری کا اگر احساس ہو جائے تو ڈوب مرنے کو جی چاہے گا، ایسی چیز کی دعا کرنے اور تمنا کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ خیال صرف عجب و خود پسندی کا نتیجہ ہوتا ہے، کیا شیخ بننے کے لیے اعمالِ صالحہ کر رہے ہو؟ یا اللہ کو راضی کرنے کے لیے اعمال کا مجاہدہ کر رہے ہو، مومن کا مقصود و مطلوب تو بس اللہ کی ذات اور اس کی رضا ہونا چاہیے۔

نمازِ فجر قضا ہونے سے بچنے کا عمل

سوال (۶۴): رات کو دیر سے سوتا ہوں، اکثر فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، برائے کرم رہنمائی فرمائیں۔

جواب:۔ فجر کی نماز قضا ہونے کا سبب خود سوال میں لکھا ہے، (یعنی رات کو دیر سے سونا) ظاہر سی بات ہے، دیر سے سونے سے جلدی اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے؛ لہٰذا اس کا حل یہی ہے کہ اگر کوئی سخت مجبوری نہ ہو تو رات کو جلدی سونے کا اہتمام کریں، رات کا کھانا جلدی کھا لیا کریں، یہ دو کام جلدی اُٹھنے میں مددگار رہوں گے اور جہاں تک فجر کی نماز قضا ہو جانے کی بات ہے تو یہ اتنی چھوٹی بات نہیں جتنی آپ ظاہر کر رہے ہو، نماز کی بالخصوص فجر کی نماز کی احادیث میں بہت تاکید آئی ہے اور اس میں کوتاہی کو منافقوں کا عمل بتلایا گیا ہے، بہت ڈرنے کی بات ہے، خدا کے لئے اس طرف بہت توجہ کرو۔

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

دینی کام پر اجرت لینا

سوال: امامت یا اسی طرح کا کوئی دینی فریضہ انجام دینے پر اجرت لینا جائز ہے؟ تو کیا اس پر ثواب بھی ملتا ہے؟

جواب: فقہائے متاخرین نے دین کے ابقاء کی وجہ سے امامت پر تنخواہ کو جائز قرار دیا ہے اور ثواب ملنے میں تفصیل ہے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اگر امام کی یہ نیت ہے کہ اگر مجھ کو اس سے زیادہ دوسری جگہ تنخواہ ملے گی، تو میں اس کو چھوڑ کر اس کو اختیار کرلوں گا، تب تو ثواب نہیں ملے گا، اور اس کو اجرت محضہ کہا جائے گا اور اگر یہ نیت رہے کہ زیادہ کے لئے بھی اس کو نہ چھوڑوں گا تو ثواب ضائع نہ ہوگا اور اس کو اجرت نہ کہا جائے گا۔ (امداد الفتاویٰ: ۲۹۷/۷، جدید)

مدرسہ کے لئے فراہمئ سرمایہ پر انعام کا حکم

سوال: جو مدرسین حضرات رمضان المبارک وغیرہ کے مہینوں میں چندہ کرتے ہیں، اُن کو اس کے عوض جو فیصد دیا جاتا ہے دس یا بیس فیصد وغیرہ تو مدرسین کا اس کو لینا اور استعمال کرنا کیسا ہے؟

جواب: مدرسے کے باقاعدہ تنخواہ دار ملازمین و مدرسین اگر رمضان المبارک میں چندہ کے لئے جائیں اور جو رقم چندہ میں ملے وہ سب مدرسے کے فنڈ میں جمع کردیں اور پھر مدرسہ مالی فنڈ سے اُن کو دس یا بیس فیصد وغیرہ کے حساب سے حسن کارکردگی پر کچھ انعام دے، تو اس کی گنجائش ہے۔ (کتاب النوازل، ۱۷۱/۱۴)

قبرستان میں جوتے پہن کر جانا

سوال: قبرستان میں جوتے پہن کر جانا ناجائز ہے؟ یا ادب کے خلاف ہے؟ یا حرام ہے؟

جواب: قبرستان کی زمین میں جوتے پہن کر جانے میں گنجائش ہے؛ البتہ قبروں پر جوتے پہن کر یا بغیر پہنے ہر حال میں چلنا مکروہ اور سخت ممنوع ہے، اس لئے احتیاط سے چلنا چاہیے؛ تاکہ قبروں پر پاؤں نہ پڑے، خصوصاً قبروں پر فاتحہ خوانی کے وقت جوتے اُتار دے، تو بہتر ہے۔ (کتاب النوازل، ۲۹۰/۱۴)

گرگٹ مارنا جائز ہے؟

سوال: گرگٹ کو مارنا جائز ہے یا نہیں؟ مشہور ہے کہ اسے مارنا چاہئے۔

جواب: گرگٹ مارنا نہ صرف جائز، بلکہ باعثِ اجر ہے، حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ میں اسے مار دے اس کے نامۂ اعمال پر نیکی لکھی جاتی ہے، اور جو دوسری مرتبہ میں مارے اسے پہلی مرتبہ سے کم، اور جو تیسری مرتبہ میں مارے اسے دوسری مرتبہ سے کم نیکی ملتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۳۶۱) نیز حدیث شریف میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گرگٹ مارنے کا حکم دیتے تھے؛ اس لئے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جلائی جانے والی آگ میں پھونک مار کر اسے بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔ (مشکوٰۃ شریف، ص ۳۶۱) یہ عمل اس جانور کی طبعی خباثت کی دلیل ہے۔ (کتاب النوازل: ۱۴/ ۴۴۶)

کیا روحیں جمعرات کو آتی ہیں؟

سوال: سنا ہے کہ ہر جمعرات کو گھر کے دروازے پر روحیں آتی ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اور کیا جمعرات کی شام کو ان کے لئے دعا کی جائے؟

جواب: جمعرات کو روحوں کا آنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے، باقی دعاو استغفار اور ایصال ثواب ہر وقت ہوسکتا ہے، اس میں جمعرات کی شام کی تخصیص بے معنی ہے۔

(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۱/ ۳۷۵)

قبر پر پھول ڈالنا خلاف سنت ہے

سوال: اپنے عزیزوں کی قبر پر پانی ڈالنا، پھول ڈالنا، آٹا ڈالنا اور اگربتی جلانا صحیح ہے یا نہیں؟

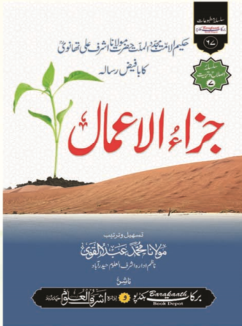
جواب: دفن کے بعد پانی چھڑک دینا جائز ہے، پھول ڈالنا خلاف سنت ہے، آٹا ڈالنا فضول بات ہے اور اگربتی جلانا مکروہ وممنوع ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۱/ ۳۸۳)

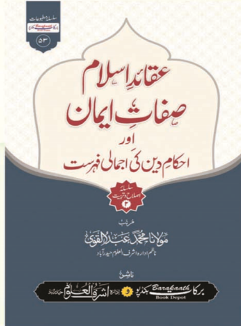
قیامت کے دن کس کے نام سے پکارا جائے گا؟

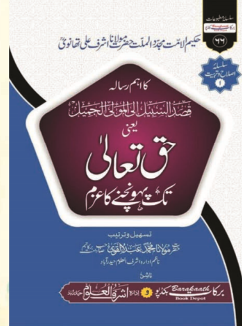
سوال: قیامت کے دن میدانِ حشر میں والدہ کے نام سے پکارا جائے گا یا والد کے نام سے؟

جواب: ایک روایت میں آتا ہے کہ لوگ قیامت کے دن ماں کی نسبت سے پکارے جائیں گے، لیکن یہ روایت بہت کمزور بلکہ غلط ہے، اس کے مقابلے میں صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے، جس میں باپ کی نسبت سے پکارے جانے کا ذکر ہے اور یہی صحیح ہے۔ (آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۱/ ۴۱۱)

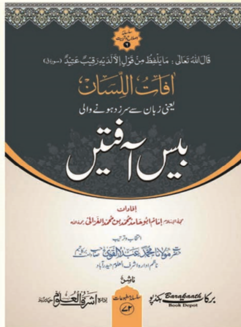
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Sep-25, Date of Posting 5th Sep-25

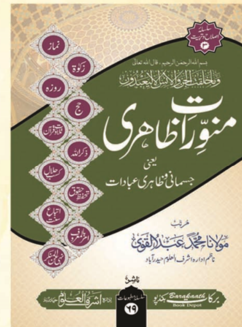


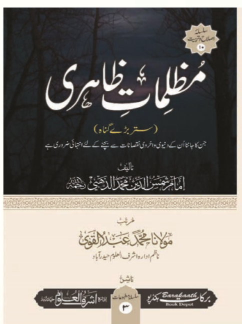


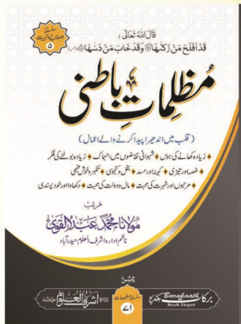


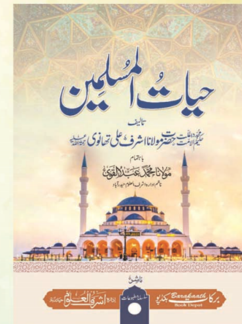












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi